نشاۃِ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی مجلہ

سرپرست

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

مدیر

سمیع الحق

موتمر المصنفین کی تازہ ، عظیم اور شاہکار پیشکش

ایک نادر تحفہ ———— ایک عظیم خوشخبری

حقائق السنن

جلد اوّل

(شرح جامع السنن للامام الترمذی)

شائع ہو گئی ہے

- افادات — محدث یگانہ علامۂ عصر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ، بانی دارالعلوم حقانیہ۔
- باہتمام و نگرانی — مولانا سمیع الحق مدیر الحق و صدر موتمر المصنفین۔
- ترتیب و مراجعت — مولانا عبدالقیوم حقانی۔

حدیث کی جلیل القدر کتاب جامع ترمذی شریف سے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے درسی افادات و آمالی کا عظیم الشان علمی سرمایہ اردو زبان میں پہلی بار منصہ شہود پر۔ اہل علم ، اساتذہ اور طلباء دورۂ حدیث ایک زمانہ سے اس کے انتظار میں تھے۔

چند خصوصیات

- حدیثی و فقہی مباحث کا شاہکار
- معرکۃ الآراء مباحث پر فقیہانہ اور حکیمانہ کلام
- فقہ احادیث کے نادر مباحث کا ذخیرہ
- حدیث سے متعلق سیر حاصل مباحث پر مشتمل مقدمہ
- مسلک احناف کے ٹھوس دلائل اور دلنشین تشریح
- چالیس سالہ تدریسی معارف و نکات کا مجموعہ۔
- انداز بیان نہایت عام فہم اور سادہ
- نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے۔

۲۲ × ۲۹ سائز کے تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل پہلی جلد جامع ترمذی کے "الطہارات" کے ایک سو گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

کاغذ ، کتابت و طباعت ، جلد بندی ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار ۔ قیمت ۱۲۵ روپے

طلباء ، اہل علم و مدارس کے لئے خاص رعایت

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر: دارالعلوم - ۴ قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر: رہائش - ۲

جلد نمبر : ۱۹ ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک [illegible] ۱۹۸۴ء

شمارہ نمبر : ۱۰ شعبان ۱۴۰۴ھ

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ - /۳۵ روپے فی پرچہ ۵/۳ روپے

بیرون ملک بحری ڈاک ۴ پونڈ، بیرون ملک ہوائی ڈاک ۶ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

میں ختم کرتے ہیں تو بنکوں کا منصوبہ تو بیس سال تک لمبا ہے۔ ہمیں چاہیئے تھا کہ کم از کم وفاقی گورنمنٹ سے وابستہ اداروں سے قرضوں پر سود کو یکلخت چھوڑ دیتے۔ راس المال کو لے لیتے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حکمتوں سے اور تدریج سے سود ختم نہیں کرایا۔ بلکہ حجۃ الوداع میں اعلان کرا دیا تھا کہ سارا سود میں نے قدموں میں پامال کر دیا ہے۔ صرف رأس المال لینے کی اجازت ہے۔ بہرحال میری گذارش یہ ہے کہ یہ جو نظام معیشت سود پر قائم ہے۔ خدا اور رسول کی طرف سے اس کے بارے میں اعلان جنگ ہے۔ تو اسے مزید عرصہ تک، مختلف ناموں سے مختلف لبادوں میں برقرار نہ رکھا جائے اور کلی طور پر اسے ختم کیا جائے۔

نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی ضروری تھی کہ کوئی بھی انقلاب، بنیادی تبدیلیوں کے بغیر جو نظام تعلیم میں کی جائیں قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر ان چھ سالوں میں ہم نے نظام تعلیم کو اسلامی خطوط پر استوار کیا ہوتا تب بھی اس کے اثرات اگلے بیس۲۰ پچیس۲۵ سال بعد ظاہر ہوتے، پچھلے تیس۳۰ سال اگر ضائع ہوئے تو ان چھ سالوں میں کم از کم اسکی بنیادیں تو رکھ دینی تھیں جب تک نظام تعلیم کسی انقلاب سے ہم آہنگ نہیں ہوگا ہم کوئی انقلاب، کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے۔ روس نے یا چین نے جہاں بھی انقلاب آیا ہے نظام تعلیم کو فوراً بدل دیا گیا ہے۔

افغانستان میں روس آیا تو ابھی اس کے قدم پوری طرح جم نہیں سکے اور اللہ تعالیٰ نہ جمائے، لیکن اس نے وہاں یکسر پورے نظام تعلیم کو بدل دیا ہے۔ اور اب وہاں کی تعلیم گاہوں سے کوئی مسلمان بچہ مسلمان نہیں نکل سکے گا ـــ مگر ہم نے چھ سال میں صرف اعلانات کئے وعدے کئے مگر یہاں تعلیمی اداروں سے وہی نکلیں گے جو لارڈ میکالے کی پالیسیوں کے مطابق تو ہوں گے مگر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسیوں کے مطابق نہیں ہوں گے۔ جبکہ انہی لوگوں کے ہاتھوں میں ملک کی زمام کار ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو اندر سے جب تک آپ تبدیل نہ کر دیں، اسلامی عقائد، اسلامی عبادات، اسلامی اصول، اسلامی فلسفوں سے وہ کماحقہٗ واقف نہ ہوں تو آگے چلکر وہ ملک کی صحیح خدمت کبھی نہیں کر سکتے، اس سلسلہ میں دینی اور دنیوی تعلیم میں تفریق اور بُعد کو حتی الوسع ختم کرانے کی کوشش ہونی چاہیئے، ایک طرف تو صرف علماء نکلتے ہوں تو دوسری طرف اسلامی اصولوں سے بالکل بے خبر مسٹر، تو ایک اسلامی اسٹیٹ کی ضروریات وہ کبھی پوری نہیں کر سکتے۔

جناب والا ہم اسلامی نظام اور اسلامی تعلیم کی باتیں کرتے ہیں مگر یہاں حالت یہ ہے کہ دینی مدارس کو ابھی تک وہ مقام نہیں دیا جا سکا جو اسلامی مملکت کے شایانِ شان ہوتا ہے۔ پچھلے تین سال سے دینی مدارس کے فارغ التحصیل فضلاء کی سند کا مسئلہ زیر غور ہے۔ جناب ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر محمد افضل صاحب وفاقی وزیر تعلیم) جو اس وقت یہاں موجود ہیں، جب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے چیئرمین تھے اسی وقت سے یہ مسئلہ چلا آرہا ہے مگر فضلاء مدارس اب تک پریشان ہیں صرف کاغذی کارروائی تو ہوتی ہے لیکن اس پر عملی قدم کبھی کسی نے نہیں اٹھایا کمیٹیوں کا سلسلہ اس مسئلہ پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

مجلس شوریٰ کے بجٹ اجلاس میں ۱۹ رجولائی کو مولانا سمیع الحق مدیر الحق نے دس منٹ کی نہایت محدود وقت کی مختصر تقریر میں کئی اہم مسائل پر اظہار خیال کیا جو وفاقی کونسل سیکرٹریٹ کی ضبط کردہ شکل میں پیش ہے۔ "ادارہ"

(تمہیدی کلمات کے بعد) محترم چیئرمین صاحب! اس چھ سالہ دورِ حکومت میں اس حکومت سے جو سب سے بڑی چیز ہمیں ملی ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس امتِ مسلمہ پر انعام ہوا ہے تو وہ قادیانیت کے مسئلہ پر آرڈیننس کا نفاذ ہے۔ الحمد للہ اس حکومت کو ناموسِ ختمِ نبوت کے تحفظ کی یہ سعادت حاصل ہوئی اور مسلسل جدوجہد جو کہ برصغیر میں ہمارے اکابر اور مسلمانوں نے جاری رکھی تھی اس کو اس حکومت نے منزلِ مقصود سے ہمکنار کیا تو میرا مشورہ ہے کہ مجلس شوریٰ اس مسئلے پر صدرِ پاکستان کو مبارکباد دے۔ اب اتنی گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر ہمیں پوری سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔ اس کے سیاسی مضمرات پر قادیانی فرقہ کی تاریخ کی روشنی میں گہری نظر رکھنی چاہئے۔ اگر ایک سانپ کو آپ زخمی کر لیتے ہیں تو زخمی سانپ، سب کچھ کر گذرتا ہے۔ تو ان کی پوری تاریخ ہے حوالوں کے ساتھ اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ پورے عالمِ اسلام میں قادیانی، فری میسن کی طرح سرگرم ہیں۔ ان کا ایک نظام ہے اور ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ تو کہیں ایسا نہ ہو کہ پاکستان ان کی سازشوں کا شکار نہ ہو جائے ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔ اور مکمل طور پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بغاوت کرنے والے اس طبقہ سے مزید کوئی نرمی نہیں برتنی چاہئے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ الحمد للہ موجودہ حکومت اس وقت اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش کر رہی ہے اور ایک سمت متعین ہو چکی ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ جیسا صدرِ محترم فرماتے ہیں کہ ایسی بنیاد ہم فراہم کر کے چھوڑیں گے کہ اس کو ہلایا نہیں جا سکے گا تو میرا خیال ہے کہ ان چھ سالوں میں وہ بنیادیں اتنی مستحکم نہیں ہو سکی ہیں۔ جیسا کہ صدر صاحب نے کہا ہے۔ بلکہ ہم نے ان چھ سالوں کا کافی حصہ تدریج یا حکمتِ عملی یا جو بھی نام دے دیں کے نام پر ضائع کر دیا ہے۔

جنابِ چیئرمین! اسلامی انقلاب کے لئے بنیادی باتیں تین تھیں۔ ایک نظامِ تعلیم، ایک نظامِ معیشت، اور ایک نظامِ عدل۔ نظامِ معیشت کے بارے میں ہم اب تک صرف خوشخبریاں سن رہے ہیں۔ اب کے ہم نے ۱۹۸۵ء تک سودی نظام کے خاتمہ کی خوشخبری سنی تو اللہ کرے کہ یہ پوری ہو جائے۔ لیکن سودی نظام کے ساتھ نہ اسلام اور نہ قرآن و سنت ایک منٹ کی رواداری برداشت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس نظام کے بارہ میں اعلانِ جنگ ہے۔ اب بھی پچھلے چھ ماہ میں ۲۰ بیس سال کے قرضے بنکوں نے جاری کئے ہیں۔ تو اگر ہم سودی نظام کو ۱۹۸۵ء

پچھلے دنوں اخبار میں ایک لطیفہ تھا کہ یہ "نیست و نابود کمیٹیاں ہیں" کمیٹی در کمیٹی پھر کمیٹی کے بعد کمیٹی ـــــ دوسری طرف یہ حالت ہے کہ جو معلمین دینیات صوبائی مدارس میں ہیں، سکولوں میں دینیات پڑھاتے ہیں، یا قرآن کریم ناظرہ یا تجوید پڑھاتے ہیں، ان کی تنخواہ چپڑاسی سے بھی کم ہوتی ہے۔ وہ لوگ مسلسل بے چین ہیں۔ دو تین سال سے ہمارے پاس ان کے خطوط آتے ہیں اور ڈھیر لگ گیا ہے۔ اگر یہ صوبائی مسئلہ بھی ہے، لیکن کسی وفاقی حکومت کی پالیسی جب صوبائی حکومتوں کو معلوم ہو جائے تو انہیں ان ہی پالیسیوں کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ تو ایک سکول میں اسلام اور قرآن پڑھانیوالا تو چار پانچ سو روپے تنخواہ کے پانچویں گریڈ والا اور چپڑاسی چھٹے اور ساتویں گریڈ میں ہو۔ اور انگریزی پڑھانے والا، فارسی پڑھانیوالا وہ تو نویں دسویں گریڈ والا ہو تو اس کے احساسِ کمتری اور بچوں پر اسکے اثرات کا کیا حال ہوگا۔

چیرمین صاحب :- مولانا اختصار کریں، تین منٹ، باقی ہیں۔

مولانا سمیع الحق :- دوسری گذارش یہ ہے کہ ہم جب اسلامی نظام کی طرف جا رہے ہیں تو ایسے اقدامات نہیں ہونے چاہئیں جو اس کے خلاف ہوں جو ہمارے نعروں سے ہماری منزل اور مشن سے ہم آہنگ نہ ہوں۔ یہاں کئی بظاہر چھوٹی باتیں بھی ہوتی ہیں مگر ملک کے مسلمانوں پر ان کا بُرا اثر پڑتا ہے اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ لوگ صرف نعرہ لگا رہے ہیں۔ ہمارے صدر صاحب نیک اور صاف دل انسان ہیں، معلوم نہیں کن لوگوں نے ان کو اس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ کہ پچھلے ہفتہ پورا ہنگامہ فلمی ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا رہا، اور ایک دیندار صدر کو سات آٹھ گھنٹے فلمی اداکاروں کے جھرمٹ میں بیٹھنا پڑا، ان اداکاروں نے انٹرویو میں کہا کہ ۳۷ سال میں فلمی صنعت کو پہلی دفعہ تحفظ ملا ہے ـــــ ـــــ تو ہمیں ایسے اقدامات سے گریز کرنا چاہیئے ـــــ۔

میں کراچی میں تھا، اجلاس سے ایک دو دن پہلے تو اخبار میں آیا کہ گھوڑ دوڑ پر شرط لگانے کی جو پابندی تھی وہ ختم کر دی گئی ہے۔ تو مجھے کئی لوگوں نے کراچی میں کہا کہ مولانا یہ کون سا اسلام آپ لا رہے ہیں۔ جو کام بھٹو حکومت نے کئے تھے آپ ان کو بھی ختم کر رہے ہیں اور اب شراب کی باری کب آئے گی۔؟ تو گھوڑ دوڑ پر شرط لگانا تو خالص جوا ہے۔ ادھر شناختی کارڈ پر خواتین کا فوٹو لازمی کر دینے کی خبر آئی ہے۔ دور دراز علاقوں بلوچستان وزیرستان قبائلی علاقے کی خواتین جو گھروں سے باہر نکلی ہی نہیں ہیں اور مجھے ایک ایسی خاتون کی حالت معلوم ہے جو اپنے خاندان کی تھی، بوڑھی اور معمر، کہ تیس چالیس سال بے چاری نے نابینا رہنا گوارا کیا، آنکھوں پر پردے آ گئے تھے مگر اپریشن کرانا گوارا نہیں کیا۔ کہ ڈاکٹر کی نظر چہرہ پر پڑنا گوارا نہ تھا۔ اور یہ میری دادی مرحومہ کا واقعہ ہے۔ میرے والد صاحب اور سب اصرار کرتے رہے کہ یہ آسان مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر کے معمولی اپریشن سے بینائی بحال ہو جائے گی۔ مگر اس مرحومہ نے تیس چالیس سال نابینا رہنا برداشت کیا مگر ڈاکٹر کو چہرہ دکھانا گوارا نہ کیا ـــــ تو ایسے جذبات و احساسات والی خواتین کو آپ مجبور کریں کہ وہ فوٹو گرافروں اور سٹوڈیوز کے چکر میں پڑ جائیں، کتنا ظلم ہے۔؟

جناب ضیاء الدین۔ لاہوری

سرسیّد اور اُن کے معتقدین

تعلیمی خدمات، مذہبی عقائد — انگریز پرستی کا علمبردار — دو قومی نظریہ کا بانی یا دشمن؟

> سرسید کو دو قومی نظریے کا بانی قرار دینے کی اختراع ایک خاص مصلحت کے تحت مسلمانانِ ہند کے مطالبۂ پاکستان کے بعد ہوئی۔ دو قومی نظریے کے ایک واضح مخالف کو اس کا حامی بنا کر باطل کوششیں واقعی قابلِ مذمت ہیں۔

سرسید احمد خان کی شخصیت ان کے بعض تعلیمی و سیاسی افکار اور مذہبی عقائد کے باعث ایک عرصہ سے متنازعہ فیہ چلی آرہی ہے۔ ایک مخصوص طبقۂ فکر کی جانب سے ہمارے نصابِ تعلیم میں پیش کیا جا رہا ہے اس سے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بُری طرح متاثر ہوا ہے۔ نامور اساتذہ، معروف مفکر اور مشہور دانشور سرسید کی اصل کتابوں کے مطالعہ کے بغیر اپنے لیکچروں اور مقالوں میں ان کے متنازعہ کردار کے بارے میں مصنوعی لفّاظی سے اس قدر کام لیتے ہیں کہ اصل مسئلہ دب کر رہ جاتا ہے۔ جو کچھ انہوں نے کتابوں میں پڑھا ہوتا ہے اسے مزید بڑھا چڑھا کر اپنی علمیت کا لوہا منوانے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ نہ دلائل کو تسلیم نہیں کرتے۔ اپنے خود ساختہ جواز رنگین عبارت میں ڈھال کر انشا پردازی کے جوہر دکھاتے ہیں۔ اور "وقتی مصلحت" کی رٹ لگا کر کسی کی بات سننا گوارا نہیں کرتے

امروز کی فروری ۸۴ء کی تین ہفت روزہ اشاعتوں میں جناب عشرت رحمانی بھی اسی رو میں بہہ گئے ہیں۔ انہوں نے "سرسید کی کہانی اُن کی اپنی زبانی" کے مقدمہ نگار جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری کے مقالہ کی (جو بعد میں الحق اکوڑہ خٹک میں نقل ہوا) بڑی تضحیک کی ہے۔ وہ مقالہ نگار پر برسے ہیں اور خوب برسے ہیں اور اپنی قلم کے بڑے جوہر دکھائے ہیں۔ اپنے جوابی مضمون "سرسید اور علی گڑھ تحریک" میں وہ جناب ابوسلمان پر کوئی سند نہ پیش کرنے کا الزام لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر انہوں نے کوئی سند پیش کی ہے تو وہ بزبانِ حال بقولِ میر ع

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

مگر نہیں سوچتے کہ انہوں نے خود جو حوالے پیش کئے ہیں ان کا اپنا پیش کیا ہوا مصرعہ ان کی اپنی ذات پر صادق آتا ہے۔ ضروری ہے کہ ان کے پیش کئے ہوئے نکات کا محققانہ تجزیہ کیا جائے۔ ورنہ نئی نسل کے گمراہ ہو جانے کا خدشہ ہے لہٰذا چند حوالہ جات جو راقم کے مطالعہ میں ہیں وہ انہیں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔

تعلیمی خدمات؟ | جناب عشرت رحمانی فرماتے ہیں کہ "سرسیدؒ کی تعلیم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے زیر اثر ہوئی۔ جہاں انہوں نے علوم متداولہ کی تکمیل کر کے سندِ فضیلت حاصل کی۔" اگر ان کے سب سے بڑے معتقد اور سوانح نگار جناب الطاف حسین حالیؔ کی حیاتِ جاوید سے اس کی تردید میں تفصیل پیش کی جائے تو بات طوالت کر جائے گی۔ میں فاضل مضمون نگار سے درخواست پیش کروں گا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے دعوے کی حمایت میں کوئی مستند حوالہ پیش کریں۔ انہوں نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ ایک مضمون نگار کی ایک ہلکی سی مشق ہے اور کچھ نہیں۔ اس کے جواب میں حیات جاوید سے صرف ایک فقرہ پیش خدمت ہے۔ " انہوں (سرسید) نے قدیم یا جدید کسی طریقہ میں پوری تعلیم نہیں پائی۔" (حیات جاوید حصہ دوم ص ۴)

جناب ابوسلمان نے اپنے مقالے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "وہ سرسیدؒ ہی تھے جنہوں نے اردو میں سائنسی تراجم کی تحریک کو ختم کر دیا تھا۔" اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں کہ:

"یہ بے پر کی حضرت شاہ جہاں پوری کو کس ذریعہ سے ہاتھ آئی۔ ورنہ آج تک کسی مستند تحریری بیان سے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔" لیجیے، اس سے متعلق سرسید کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

"میں کہتا ہوں کہ پنجاب کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ ان جدید علوم کو اپنی زبان کے ترجموں سے حاصل کر لیں گے، اور یہی بنا مشرقی زبان کی یونیورسٹی قائم کرنے کی ہوئی۔ مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں پہلا شخص ہوں جس کے خیال میں بیس بائیس برس قبل یہی بات آئی تھی۔ میں نے صرف اس کو خیال ہی نہیں کیا تھا بلکہ کر کے دکھایا اور آزمایا، تجربہ کیا، سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جو اب تک زندہ ہے اس میں یہی کام شروع کیا تھا تاکہ علوم و فنون کی کتابیں اپنی زبان میں ترجمہ ہو کر قوم کی تعلیم کے لئے شائع کی جائیں۔ مگر بعد ترجمہ کے معلوم ہوا کہ ان جدید علوم کا ترجمہ کر کے اپنی قوم کو سکھلانا ناممکن ہے۔" (مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز، ص ۳۰۱)

سائنسی تراجم کی تحریک کو سرسید اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں۔ اپنی تحریک کے بیان اور پھر اس غلطی کے اعتراف میں ان کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

"میں اقرار کرتا ہوں کہ میں وہی شخص ہوں جس نے سب سے پہلے اس بات کا گمان کیا تھا کہ یورپین علوم کا ورنیکلر زبان کے ذریعہ سے تحصیل کرنا ملک کے حق میں زیادہ سودمند ہو گا۔ میں وہی شخص

ہوں جس نے لارڈ میکالے کے منٹ ۱۸۳۵ء پر نکتہ چینی کی تھی کہ انہوں نے مشرقی تعلیم کے نقص کو ظاہر کیا اور مغربی علوم پر توجہ دلائی۔ اور اس بات کے خیال کرنے سے قاصر رہا تھا کہ دیسی زبان کی وساطت سے یورپین علوم کی اشاعت اہل ہند کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے یا نہیں؟ میں نے اپنی رائے کو صرف بیان ہی پر محدود نہیں کیا۔ بلکہ اس کو عمل میں لانے کی کوشش کی۔ بہت سے مباحثے مختلف جلسوں میں کئے۔ اس مضمون پر متعدد رسالے اور مضمون لکھے۔ لوکل اور سپریم گورنمنٹوں کو عرض داشتیں بھیجیں اور اسی غرض سے ایک سوسائٹی موسوم بہ سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ قائم کی گئی۔ جس نے کئی علمی اور تاریخی کتابوں کا انگریزی سے ورنیکلر زبان میں ترجمہ کیا مگر انجام کار میں اپنی رائے کی غلطی کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔" (حیات جاوید حصہ اول ص۲۴۶)

ایک موقعہ پر فاضل مضمون نگار دارالعلوم علی گڑھ کے متعلق سرسید کے اپنے الفاظ کو بڑی چابک دستی کے ساتھ مقالہ نگار کا تبصرہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"مختصراً ابو سلمان صاحب سرسید اور علی گڑھ کی تعلیم و تحریک کا نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ دراصل سرسید کے دارالعلوم علی گڑھ کے قیام کا یہ مقصد کہ مسلمان نوجوانوں کو ذہنی علمی و اخلاقی اور جدید سائنسی تعلیم دی جائے گی محض لفظی تھا ورنہ کالج کے قیام سے سرسید کا اصل مقصد لارڈ میکالے کے مقاصد تعلیم کی تکمیل تھا۔ میکالے نے کہا تھا کہ تعلیم کا مقصد ذہن و فکر کے لحاظ سے انگریز بنا کر تیار ہونا چاہئے۔ خواہ مذہب کی رو سے وہ ہندو یا مسلمان کہلائیں۔ مگر باعتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں۔"

اس کے جواب میں سرسید نے ایم اے او کالج کے قائم کرنے کے اسباب اور مقاصد جو اپنی تحریر نوشتہ ۱۸۸۲ء میں بیان کئے تھے۔ ان کا متعلقہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے :-

"اصل مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنس اور لٹریچر کو رواج دے۔ اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو از روئے مذہب کے مسلمان اور از روئے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں۔ مگر باعتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں۔" (ایڈریس اور اسپیچیں متعلق ایم اے او کالج مرتبہ نواب محسن الملک دیباچہ ص۳)

سرسید لارڈ میکالے سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے جابجا ان کے نظام تعلیم کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اور بعض جگہ انہیں "لارڈ میکالے مرحوم" اور "خدا اسے بہشت نصیب کرے" کے الفاظ سے بھی مخاطب کیا ہے۔

مذہبی اعتقادات | جہاں تک سرسید کے مذہبی اعتقادات کا سوال ہے اس پر ایک طویل بحث درکار ہے۔ مختصراً ان کے چند عقائد شیخ محمد اکرم کے حوالے سے درج ہیں:۔

"شیطان، اجنہ اور ملائک کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار، حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سرسید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے۔" (موج کوثر مطبوعہ فیروز سنز)

سرسید کے معجزات سے انکار کے بارے میں حالی رقم طراز ہے۔

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا۔ عصا کا اژدہا بن جانا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا۔ خدا کا موسیٰ سے کلام کرنا۔ پہاڑ پر تجلی ہونا۔ گئوسالہ سامری کا بولنا۔ ابر کا سایہ کرنا من و سلویٰ کا اترنا یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا۔ خلق طیر، اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا۔ مردوں کو زندہ کرنا۔ مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ۔ ان کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا۔" (حیات جاوید حصہ دوم صہ ۲۶۵)

فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ "ابو سلمان صاحب نے مولانا حالی کے حوالہ سے سرسید کے دینی عقائد اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی تحریک کی مخالفت میں جو کچھ لکھا ہے وہ موصوف کا ذاتی نظریہ ہے جس کے لئے انہوں نے حالی پر غلط الزام لگایا ہے۔" اس کے جواب میں حالی کے اپنے الفاظ سرسید کی مذہبی جذبات کے معترف ہونے کے باوجود ان کی تفسیر کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

"سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔" (حیات جاوید حصہ اول صہ ۲۳۲)

ایک اور جگہ حالی لکھتے ہیں:۔

"اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آخر عمر میں سرسید کی خود رائی یا وثوق کہ ان کو اپنی رایوں پر تھا وہ حد اعتدال سے متجاوز ہو گیا تھا۔ بعض آیات قرآنی کے وہ ایسے معنی بیان کرتے تھے جن کو سن کر تعجب ہوتا تھا کہ کیونکر ایسا عالی دماغ آدمی ان کمزور اور بودی تاویلوں کو صحیح سمجھتا ہے؟ ہر چند کہ ان کے دوست ان تاویلوں پر ہنستے تھے مگر وہ کسی طرح اپنی رائے سے رجوع نہ کرتے تھے۔"

(حیات جاوید حصہ دوم صہ ۵۲۲)

ایم اے او کالج علی گڑھ کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں

"ان نتائج سے محمڈن کالج کی کوئی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی جس کی رو سے اس کو ہندوستان کے کالجوں پر ترجیح دی جا سکے۔ یا اس کو مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید سمجھا جائے۔ سوا اس کے کہ اس کالج میں ہندوستان کے اور کالجوں کی نسبت مسلمان طلبہ کی تعداد کسی قدر زیادہ پائی جاتی ہے کوئی تفاوت تعلیم اور نتائج تعلیم کے لحاظ سے محسوس نہیں ہوتا۔ نہ یہاں کے طالب علموں نے اب تک فضیلت اور علمی لیاقت میں اور کالجوں کے طلبہ پر کوئی صریح فوقیت دکھائی ہے۔ اور نہ یہ ثابت کیا ہے کہ یونیورسٹی کے نتائج امتحان میں اس کالج کے تعلیم یافتہ بہ نسبت دیگر کالجوں کے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں" (حیات جاوید حصہ دوم ص ۲۴۰)

جناب مضمون نگار نے وابستگین علی گڑھ کے جو چند معروف نام گنوائے ہیں اس کے متعلق صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ اس قسم کے استثنا ہر جگہ ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے تمام رہنمایان قوم علی گڑھ کے تربیت یافتہ نہیں۔ ان میں ڈھیروں تعداد عیسائی اور غیر مسلم درس گاہوں کے علاوہ گم نام تربیتی اداروں سے سند فضیلت حاصل کرنے والوں کی بھی ہے۔ راقم نے دیال سنگھ کالج کے مسلمان طلبہ کی ایک کثیر تعداد کو تحریک پاکستان کے ہراول دستہ میں مستعد پایا۔ مگر اس کا کریڈٹ نہ دیال سنگھ آنجہانی کو جاتا ہے اور نہ دیال سنگھ کالج کو۔ اس زمانے میں ایک تحریک چلی جس درس گاہ میں مسلمان طلبہ کی تعداد زیادہ تھی وہ مشہور و معروف ہو گئے اور دوسروں کی فراموش کر دی گئیں۔

<u>سیاسی عزائم۔ انگریز پرستی کا علمبردار</u> سرسید کے سیاسی عزائم کے متعلق بات کرتے ہوئے جناب عشرت رحمانی خود کو بہت بڑا مورخ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ راقم کے مطالعہ میں ۱۸۵۷ء کے بارے میں ان کی دو کتابیں ہیں۔ ان میں جہاں کہیں سرسید کی انگریز پرستی کے ذکر کا موقع آتا ہے وہ اسے جلدی سے سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا مضحکہ خیز تاویلوں کا سہارا لیتے ہیں۔ یا پھر اس کا ذکر مکمل طور پر گول کر جاتے ہیں ستم کی انتہا یہ ہے کہ اپنے خیالات کی حمایت میں وہ ایک قادیانی مصنف کے حوالے پیش کرتے ہیں جس کی قوم کی انگریز نوازی ضرب المثل ہے۔

راقم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کتابیں ہر شخص لکھ سکتا ہے۔ مگر تحقیق میں مغز کھپانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ بغیر تحقیق کیے کتابیں لکھنے یا ایک مفروضہ کو فیصلہ کن انداز میں سامنے رکھ کر تحقیق کرنے سے وہ تضاد بیانی جنم لے گی جو جناب عشرت رحمانی کی کتابوں اور تحریروں میں موجود ہے۔ جس کے ذکر کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ اگر تاریخی واقعات لکھنے سے پہلے وہ اس موضوع پر اپنے امام سرسید کی آثار بھی ملاحظہ فرما لیتے۔ تو انہیں اپنے تعصبات کا خود اندازہ ہو جاتا۔ اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے چند مقامات

کا ذکر کروں گا جس سے ان کی تحریروں کی "صداقت" پر ایک ہلکی سی روشنی پڑے گی۔
اپنے مضمون میں جناب عشرت رحمانی بغیر کسی حوالہ کے علامہ شبلی سے ایک واقعہ منسوب کرتے ہوئے ان کا جواب لکھتے ہیں:۔
" ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" لکھ کر حکومت کو اسلامیانِ ہند سے برگشتہ کرنے کی نہایت منظم و مذموم مہم جاری کی۔ اس میں اس نے ایک سوال کیا کہ " اے علمار محققین شرع اسلام تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے کہ اگر کوئی مسلمان بادشاہ ہندوستان پر ایسے وقت میں حملہ کرے جب کہ وہ انگریزوں کے قبضہ میں ہے تو اس ملک کے مسلمانوں کو انگریزوں کی امان ترک کرنی اور اس غنیم کی مدد کرنی جائز ہے یا نہیں؟" اس سوال کے جواب میں ملک کے تمام علمار خاموش رہے۔ لیکن سرسید نے فوراً ایک مضمون کے ذریعہ جواب دیا۔ انہوں نے پہلے اسلام اور مسلمانوں کے دینی عقائد پر ایک اصولی بحث کی۔ اور اپنے مضمون کے آخر میں صاف صاف کہہ دیا کہ " فی الوقت کوئی مسلمان یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ کسی بڑے ملکی ہنگامہ میں کل قوم کا کیا حال ہوگا میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی حالت میں مسلمان وہی کریں گے جو ان کی سیاسی و ملی حالت اس وقت ان سے کرائے گی۔"
" کڑوا کڑوا تھو تھو میٹھا میٹھا ہپ" کے مصداق اس حوالہ میں سے اصل حصہ کس نے اڑایا۔ جناب مضمون نگار اس پر بہتر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اس حصہ کو اڑا دینے سے اصل حوالہ کا مطلب گمراہ کن حد تک بدل جاتا ہے۔ اگر جناب مضمون نگار نے ڈاکٹر ہنٹر کے جواب میں سرسید کا مضمون نہیں پڑھا تو میں ان کی اطلاع کے لئے سرسید کے مطبوعہ مضمون ۱۸۷۲ء صفحہ ۸۷ سے متعلقہ اقتباس پیش کرتا ہوں۔

" میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے سوال کا یہ جواب دیتا ہوں کہ انگریزوں کی امان سے علیحدہ ہونا اور غنیم کو مدد دینا کسی حالت میں کسی مسلمان کا مذہبی فریضہ نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایسا کریں تو گنہ گار خیال کئے جائیں گے۔ کیونکہ ان کا یہ فعل اس پاک معاہدہ کو توڑتا ہوگا جو رعایا اور حکام کے درمیان ہے۔ اور جس کی پابندی مرنے دم تک مسلمانوں پر فرض ہے البتہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر آیندہ کوئی مسلمان یا اور بادشاہ ہندوستان پر حملہ کرے تو اس صورت میں باعتبار عمل درآمد کے ٹھیک ٹھیک مسلمان کیا کریں گے۔ کیونکہ وہ شخص حقیقت میں نہایت دلیر ہے۔ جو اپنے دلی دوستوں اور رشتہ داروں کے سوا عام شخصوں کی طرف سے بھی کچھ جواب دینا مشکل ہے چنانچہ جو ملکی لڑائیاں انگلستان میں ہوئی ہیں ان میں باپ بیٹوں سے اور بھائی بھائی سے لڑے تھے۔ پس کوئی شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ کسی بڑے ملکی ہنگامہ میں کل قوم کا کیا حال ہوگا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی صورت میں جو کچھ مسلمانوں کو اپنی ملکی حالت کے لحاظ سے مصلحت معلوم ہوگی اس

پر وہ عمل کریں گے خواہ وہ حالت ان کے موافق ہو یا نہ ہو"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب عشرت رحمانی کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کئے جائیں جن میں وہ اپنے امام سرسید سے ایک بہت بڑے قومی مسئلہ میں متصادم اور متحارب نظر آتے ہیں مگر انشا پردازی کا کمال ہے کہ اس کے باوجود وہ ان کے دفاع میں ہمہ تن مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ یہ صرف ان پر ہی منحصر نہیں افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے نصاب تعلیم سے متاثر اکثر مورخ جب سرسید کے سیاسی خیالات کا ذکر کرتے ہیں تو ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچ کر ان کے ہر فعل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

"اسباب بغاوت ہند" میں کیا لکھا ہے۔ اور اس کے متعلق سرسید سے باز پرس نہ ہونے میں کیا مصلحت کارفرما تھی؟ اس میں کیا حوصلہ مندی دکھائی گئی ہے۔ اس کا ذکر ایک مکمل مضمون کا متقاضی ہے۔ اور انشاء اللہ کبھی اس کا بھی موقع میسر آجائے گا۔ سوال یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے دوران سرسید احمد خان نے کیا کردار ادا کیا؟ "سرکشی ضلع بجنور" میں خود سرسید نے اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح مسلمانوں کے خلاف انگریزوں سے باقاعدہ خفیہ خط و کتابت میں مصروف رہے۔ اور جنگ آزادی کو ختم کرانے میں انگریزوں سے کیا کیا سازشیں کیں؟ بجنور میں ہندوؤں سے مسلمانوں کو کس طرح مروایا۔ اور جب مسلمانوں کو اس حال تک پہنچا دیا تو ان کے خیر خواہ بن کر رونے دھونے کے فرائض انجام دینے لگے۔

۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات سیاسی مصلحت کے طور پر انگریزوں سے مفاہمت کے خواہاں تو ضرور تھے لیکن اس سے بنیادی اصول تو ختم نہیں ہو جاتے۔ اس کے بعد سرسید ساری عمر قرآنی تفسیر کے ذکر میں ہندی مسلمانوں کو مذہباً انگریزوں کی اطاعت کی تلقین کرتے رہے۔ اور ان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہے انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ ۱۸۵۷ء کے مسلمان مجاہدوں کو "حرام زادہ" کہیں اور ۱۸۵۷ء کے واقعات کے لئے نمک حرامی۔ بے ایمانی، حرامزدگی جیسے مکروہ الفاظ استعمال کریں۔

واضح رہے کہ یہ الفاظ صرف لوٹ مار کرنے والوں کے لئے استعمال نہیں کئے گئے بلکہ اجتماعی طور پر کہے گئے ہمارے مورخ اس معاملہ میں "وقت کا تقاضا" اور "وقتی مصلحت" جیسے الفاظ استعمال کر کے نئی نسلوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جناب عشرت رحمانی کی "۱۸۵۷ء کے مسلمان مجاہد" کے مقابلے میں اس سے بیشتر ایک صدی قبل سرسید "لائل محمڈنز آف انڈیا" شائع کر چکے ہیں جسے "۱۸۵۷ء کے مسلمان غدار" کے عنوان سے موسوم کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اس میں سرسید نے ان مسلمان غداروں کا تذکرہ بڑے فخر سے بیان کیا ہے۔ جنہوں نے انگریزوں کی حمایت میں جان دینے سے بھی دریغ نہ کیا اور انعام و اکرام سے نوازے گئے۔ جناب عشرت رحمانی اپنی کتاب میں جنہیں "مجاہد" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں سرسید انہیں انتہائی غیر اخلاقی الفاظ کے ساتھ یاد

کرتے ہیں۔ لیجئے چند مجاہدین جن کا ذکر جناب عشرت رحمانی کی کتاب میں موجود ہے ان کے متعلق سرسید کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔

★ جنرل بخت خاں کو باغیوں کا سرغنہ (ڈاکٹر ہنٹر کے جواب مضمون میں صہ ۲۳) لکھا۔

★ نواب خان بہادر خاں کو بے ایمان اور نمک حرام (سرکشی ضلع بجنور صہ ۲۲) اور بدذات (ایضاً صہ ۲۳) لکھا۔

★ جنرل محمود خاں نجیب آبادی کو کم بخت (سرکشی صہ ۲۳) اور ظالم (ایضاً صہ ۱۶) لکھا۔ اس کے علاوہ کتاب میں جا بجا سے محمود خاں کی بجائے نا محمود خاں لکھا ہے۔

★ احمد اللہ خاں کو بدذات (سرکشی صہ ۲۶) اور بدنیتی اور فساد کا پُتلا (ایضاً صہ ۴۱) لکھا۔

★ ماڑے خاں کو حرام زادہ (سرکشی صہ ۱۱۵، و ۱۳۶) قدیمی بدمعاش (ایضاً صہ ۳۹) پکا بدمعاش (ایضاً صہ ۴۱) بے رحم (ایضاً صہ ۱۱۵) اور مفسد (ایضاً صہ ۹۰) لکھا۔

اب ۱۸۵۷ء کے متعلق مزید ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

★ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی سے دیسی فوج نے ان بے اعتدالیوں کے خلاف نعرہ جہاد بلند کیا (۱۸۵۷ء کے مسلمان مجاہد صہ ۱۳)

★ سرسید فرماتے ہیں۔ "میرٹھ میں جو فساد اور نمک حرامی دسویں مئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی (سرکشی صہ ۵)
عشرت رحمانی لکھتے ہیں۔ "اس جنگ آزادی یا جہاد حریت کا آغاز مسلمانوں کی قیادت میں ہوا (مسلمان مجاہد صفحہ ۱۳)

★ سرسید فرماتے ہیں۔" غدر میں کیا ہوا؟ ہندوؤں نے شروع کیا مسلمان دل جلے تھے وہ بیچ میں کود پڑے"
(حیات جاوید حصہ اول صہ ۲۸۱)

★ عشرت رحمانی لکھتے ہیں۔ قوم و ملک کے مجاہدین علماء، فضلاء اور شیر دل بہادروں نے عزم و عمل، شجاعت واستقامت کے بے مثال کارنامے انجام دئے۔ لیکن قوم و وطن کے غداروں نے ان کی تمام قربانیوں اور مساعی کو ملیامیٹ کر کے برطانوی اقتدار کو ملک پر مسلط کر لیا (۱۸۵۷ء کا سیاسی جائزہ صہ ۱۲)

★ سرسید فرماتے ہیں۔" جس قدر اچھے اور خدا پرست اور سچ مچ کے مولوی اور درویش تھے ان میں سے کوئی شخص اس فساد میں شریک نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ مفسدوں کو بُرا اور اس فساد کو بے جا جانتے تھے"
(رلائل محمڈنز۔ جلد دوم صہ ۱۱)

★ "میں نہیں دیکھتا کہ اس تمام ہنگامہ میں کوئی خدا پرست آدمی یا کوئی سچ مچ کا مولوی شریک ہوا ہو"
(رلائل محمڈنز۔ جلد دوم صہ ۱۳)

اب انگریزی حکومت کے متعلق تاثرات کا موازنہ کیا جائے۔ عشرت رحمانی لکھتے ہیں:۔

"جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس برصغیر میں اپنے عیارانہ قدم جمائے اور تجارت کو مکر و فریب سے ضرب دے کر اس کا حاصل ضرب حکومت نکالا تو اسی عہد سے اس مصلحت کے تحت ملک میں فرقہ پرستی اور قوم میں باہمی نفرت پھیلانے کی ہر ممکن کوشش جاری رکھی" (سیاسی جائزہ ص۵)

اس کے بعد ص ۱۳ پر لکھتے ہیں: "کمپنی کی صد سالہ حکومت ... جس نے برصغیر پر مسلط ہو کر اس کی آزادی قومی شعار، تہذیب و تمدن اور دولت و اطمینان و فراغت سب کچھ لوٹ لیا۔"

اس کے مقابلے میں سرسیدؒ کے خیالات ملاحظہ فرمائیں: "ابتدائے حکومت انگریزی سے لغایت ۱۸۵۸ء تم سب لوگوں نے آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت میں اپنی زندگی بسر کی۔ حق یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہایت شائستگی اور نرمی اور بحفاظت مذاہب مختلفہ حکومت کی۔" (مجموعہ لکچرز ص ۲۴)

جناب عشرت رحمانی قیام پاکستان سے قبل نصاب تعلیم پر ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "تاریخ کی درسی کتابوں میں اس امر کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا کہ ہم انگریزوں کو اپنا محسن حکمران سمجھیں اور ان کی خوبیوں اور نیکیوں کو غنیمت جان کر ان کی صفت کے راگ گائیں۔ اور اپنے سلاطین کے مسخ کردار سے نفرت کریں جو انگریز حکمرانوں کے دماغوں ہی کے اختراع کئے ہوئے تھے۔" (سیاسی جائزہ ص ۱۲)

میں یہاں عرض کروں گا کہ قیام پاکستان سے قبل معاملہ کچھ اور تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اسی قسم کا معاملہ ہمارے سامنے پیش آرہا ہے۔ کہ انگریزی راگ کے گن گانے والوں کو اپنا محسن بنا کر نصاب تعلیم میں شامل کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے کہ جناب رحمانی کے اعتراض کے متعلق سرسید کیا فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ اس کی اطاعت اور فرماں برداری اور پوری وفاداری اور نمک حلالی، جس کے سایہ عاطفت میں ہم امن و امان کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔ میری یہ رائے آج کی نہیں ہے بلکہ پچاس ساٹھ برس سے میں اسی رائے پر قائم اور مستقل ہوں۔"

(رپورٹ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس نہم ص ۱۶۹)

"ہم کو درحقیقت نہایت سچے دل سے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ انگریزی گورنمنٹ سے جس قدر کہ ملک میں امن و امان اور رعایا میں آزادی ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی گورنمنٹ میں نہیں ہے۔ میں نہایت دلی یقین سے یہ بات کہتا ہوں کہ جن عمدہ اصولوں پر انگریزی گورنمنٹ ہے اس سے زیادہ عمدہ اصول گورنمنٹ کے لئے ہو نہیں سکتے جیسے رعایا کے حقوق اور ان کی دولت اور ان کی جان اور ان کی آزادی اس گورنمنٹ میں محفوظ ہے دنیا میں کہیں نہیں ہے۔" (مجموعہ لکچرز ص ۱۱۱)

• مسلمان رعایا نہ تو ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے قیام کی مخالف تھی اور نہ برٹش گورنمنٹ کے قیام نے ان لوگوں میں کوئی سیاسی بے چینی پیدا کی۔ طوائف الملوکی اور ظلم و تشدد کے اس دور میں جب کہ ملک کو ایک کامل اقتدار والی حکومت کی ضرورت تھی۔ مقامی آبادی نے برٹش اقتدار اعلیٰ کا پرجوش خیر مقدم کیا اور مسلمانوں نے بھی اس سیاسی تبدیلی پر اطمینان کے جذبات کا اظہار کیا۔" (سوانح سرسید از گراہم ص ۲۳)

"تسلیم کیا جائے کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے غیر مذہب والوں پر ظلم کیا اور ان کی مذہبی آزادی کو برباد کر دیا۔ مگر ایسا کرنا ان کا ذاتی فعل تھا جس کے وہ خود ملزم ہیں نہ کہ مذہب اسلام۔ بلاشبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ بعد قوم عرب کے بتوں کو توڑ دیا۔ مگر اس بت شکنی کی نظیر محمود غزنوی یا عالمگیر یا کسی اور بادشاہ کی بت شکنی کی نہیں ہو سکتی۔" (تفسیر القرآن حصہ چہارم ص ۱۰۹)

جناب عشرت رحمانی چاہیں تو ان کے لئے اس قسم کے بیسیوں نہیں سینکڑوں حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

دو قومی نظریہ کا بانی یا دشمن؟ | آخر میں مختصراً اپنے ان تعلیم یافتہ ڈھنڈورچیوں کے خودساختہ فلسفہ کے متعلق کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو سرسید کو دو قومی نظریے کا بانی قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے کہ اس معاملہ میں خود سرسید کیا فرماتے ہیں:-

"لفظ قوم سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے یہی وہ معنے ہیں جس میں میں لفظ نیشن (قوم) کی تعبیر کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے لائق نہیں کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے کیونکہ اس کی کوئی بات نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن جو بات ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم سب خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، ایک ہی سرزمین پر رہتے ہیں۔ ایک ہی حاکم کے زیر حکومت ہیں۔ ہم سب کے فائدے کے مخرج ایک ہیں۔ ہم سب قحط کی مصیبتوں کو برابر برداشت کرتے ہیں۔ یہی مختلف وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں ان دونوں قوموں کو جو ہندوستان میں آباد ہیں ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہوں کہ "ہندو" یعنی ہندوستان کی رہنے والی قوم۔" (سفرنامہ پنجاب ص ۲۳۴) ایک اور جگہ پر یوں فرماتے ہیں:-

"قدیم سے قوم کا لفظ ملک کے باشندوں پر بولا جاتا ہے۔ گو ان میں بعض بعض خاصیتیں بھی ہوتی ہیں اے ہندو اور مسلمانو۔ کیا تم ہندوستان کے سوا کسی اور ملک کے رہنے والے ہو؟ کیا اسی زمین پر تم دونوں نہیں بستے؟ کیا اسی زمین میں تم دفن نہیں ہوتے ہو یا اسی زمین کے گھاٹ پر جلائے نہیں جاتے؟ اسی پر مرتے ہو اسی پر جیتے ہو تو یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے۔ ورنہ ہندو، مسلمان اور عیسائی بھی، جو اسی ملک میں رہتے ہیں اس اعتبار سے سب ایک ہی قوم ہیں۔" (مجموعہ لیکچرز ص ۱۴۷)

بابائے اردو نے اپنے ایک مضمون میں اس قسم کے ڈھیروں حوالے پیش کئے ہیں۔ (بقیہ ص ۵۸)

ارشد جاوید ایم اے (نفسیات)
پنجاب (پاکستان) کیلیفورنیا (امریکہ)

مرزا غلام احمد "نبی"
یا
نفسیاتی مریض

ایک جھوٹے مراقی شخص کا سائیکالوجی تجزیہ - اور تحلیل نفسی

مختصر سوانحی خاکہ | مرزا غلام احمد صاحب ۳۹ - ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے ۶۸-۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ کی کچہری میں بطور محرر ملازمت کی۔ اسی دوران مختاری کا امتحان دیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۸۶۸ء کے بعد مذہب کی طرف متوجہ ہوئے - اور تفصیلی مطالعہ کیا۔ یہ مناظروں کا دَور تھا۔ اس لئے آپ نے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کئے۔ اور "براہین احمدیہ" کا حصہ اول اور دوم شائع کیا۔ ہندوستان کے بہت سے علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ اس طرح اس کتاب نے مرزا صاحب کو دفعتہً قادیان کے گوشہ گمنامی سے نکال کر شہرت و احترام کے منظر عام پر کھڑا کر دیا۔ اور لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس دوران آپ ایک مصنّف اور اسلام کے وکیل کی حیثیت سے سامنے آئے۔

مرزا صاحب نے اپنی مذہبی زندگی کا آغاز ایک مبلغ اور مصلح کی حیثیت سے کیا۔ پھر محدث ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۸۸۴ء میں آپ نے مجدد ہونے کا اشتہار شائع کر دیا۔ ۱۸۹۱ء میں مثیل مسیح اور پھر مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا۔ اور آخر کار ۱۹۰۱ء میں نبی اور رسول اللہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب انتقال کر گئے۔

ختم نبوت | پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک، ہر زمانے کے اور پوری دنیائے اسلام میں ہر ملک کے مسلمان اور علماء اس عقیدے پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ جو بھی آپ کے بعد اس منصب کا دعوٰی کرے یا اس کو مانے وہ کافر خارج از ملت اسلام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں" (الاحزاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میرے بعد اب کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔" (ترمذی) "میری امت میں تیس کذّاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعوٰی کرے گا

حالاں کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (ابو داؤد)

حتیٰ کہ ابتدا میں مرزا صاحب خود بھی ختم نبوت کے قائل تھے اور نبوت کے دعوٰی کو کفر گردانتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ (آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم) پر نبیوں کا خاتمہ فرما دیا۔ (حمامۃ البشریٰ) "اور ثابت ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۴۸) "میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں۔ اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۴۴)

"سیدنا و مولانا حضرت مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب جانتا ہوں۔" (تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۱۲۲)

دعوٰی نبوت کی حقیقت | قرآن و حدیث کے ان واضح دلائل اور پھر مرزا صاحب کے اپنے اعلان کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں اور ختم نبوت کا منکر کاذب اور کافر ہے۔ کے بعد مرزا صاحب کا دعوٰی نبوت حیران کن ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے جو کہ ایک عالم دین تھے اور ختم نبوت کے منکر کو کاذب اور کافر سمجھتے تھے خود اعلان نبوت کیوں کیا؟

مرزا صاحب کے اعلان نبوت کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے صرف دنیوی اغراض و مفادات کے لئے سوچ سمجھ کر اور خوب غور و فکر کے بعد ایک پروگرام کے تحت یہ ڈھونگ رچایا ہو۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب سے پہلے بھی بہت سے لوگ نبوت کا دعوٰی کر چکے ہیں حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوٰی کیا۔ اور قتل ہوا۔ لیکن اگر مرزا صاحب کی تصنیفات کو سرسری دیکھا جائے تو معمولی سوجھ بوجھ کا ہر انسان ان کی تحریروں میں واضح تضادات کو فوراً محسوس کر لیتا ہے۔ مرزا صاحب ایک ذہین آدمی تھے۔ اگر انہوں نے یہ دعوٰی سوچ سمجھ کر ایک سکیم کے تحت کیا ہوتا تو ان کی تصنیفات میں واضح تضاد نہ ہوتے۔ کیونکہ کسی بھی نارمل مرد کی تحریروں میں اس قدر نمایاں تضادات نہیں ہوتے۔ جب کہ آپ کی تحریریں تضادات کا شاہکار ہیں۔ خود مرزا صاحب کا ارشاد ہے:۔

"کسی عقلمند اور صاف دل انسان کے کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا۔ اگر کوئی پاگل یا مجنون یا ایسا منافق ہو خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو اس کا کلام بیشک متناقض ہو جاتا ہے۔" (ست بچن صفحہ ۳۰)

"جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۲)

مگر خود مرزا صاحب کا کلام تضاد اور تناقض سے بھرا پڑا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

۱- " اے لوگو دشمن قرآن نہ بنو۔ اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو۔ اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔" (آسمانی فیصلہ صـ ۲۵)
" ان پر واضح رہے کہ ہم بھی ۔ نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں۔" (تبلیغ رسالت جلد ۶ صـ ۳۰۲)
دوسری طرف فرماتے ہیں " اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔" (حقیقۃ الوحی)
" سچا خدا وہ ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" (دافع البلاء صـ ۱۱)

۲- " میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا۔" (تریاق القلوب صـ ۱۳۰)
دوسری طرف لکھتے ہیں ۔" خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں۔" (رسالہ الذکر الحکیم جلد ۴ صـ ۲۵)

۳- " لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں۔ مومن لعان (لعنت کرنے والا) نہیں ہوتا۔ (ازالہ اوہام صـ ۶۶۰)
" میری فطرت اس سے دور ہے کہ کوئی تلخ بات منہ پر لاؤں۔" (آسمانی فیصلہ صـ ۹)
" گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں۔" (اربعین صـ ۴ ضمیمہ ۵)
" میں سچ سچ کہتا ہوں جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا جائے۔ (ازالہ اوہام جلد ۱ صـ ۶)
دوسری طرف رقمطراز ہیں۔" ہمارے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہو گئے۔ اور ان کی عورتیں کتیوں سے بھی بڑھ گئیں۔"
(درثمین صفحہ ۲۵۱)

مولانا محمد حسین بٹالوی کے متعلق فرماتے ہیں :۔ "پلید۔ بے حیا۔ سفلہ" (ضیاء الحق صـ ۳۳)
مولانا ثناء اللہ امرتسری کے متعلق لکھتے ہیں۔" کفن فروش۔ کتا۔" (اعجاز احمدی صـ ۲۳)
" خبیث۔ سور۔ کتا۔ بد ذات۔ گوں خور۔" (بحوالہ الہامات از مرزا صاحب از شیخ الاسلام صـ ۱۲۲ حاشیہ)
مولانا سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق ارشاد ہے :۔
" غول۔ لئیم۔ فاسق۔ ملعون۔ نطفہ سفہاء۔ خبیث۔ کنجری کا بیٹا۔" (انجام آتھم صـ ۲۸۱)
مرزا صاحب کی مذکورہ بالا تحریریں نہ صرف تضاد کا شاہکار ہیں بلکہ ایسی تحریریں ایک نبی کا تو ذکر ہی کیا کسی بھی شریف انسان کے مقام سے فروتر ہیں۔ کوئی بھی نارمل اور معقول انسان ایسی گندی زبان تحریر کرنا پسند نہیں کرتا۔ چہ جائے کہ ایک نبی ایسی گھٹیا اور بازاری زبان استعمال کرے۔

۴- مرزا صاحب فرماتے ہیں :۔ " اور یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔ جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔" (چشمہ معرفت صـ ۲۰۹)

ص ۴۷) یعنی پہلے مریم بنے پھر خود ہی حاملہ ہوئے پھر اپنے پیٹ سے آپ عیسیٰ ابن مریم بن کر تولد ہوگئے۔

۳۔ اکثر مریضوں کی طرح مرزا صاحب کو یہ بیماری ایک بارگی لاحق نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ اس بیماری میں آہستہ آہستہ گرفتار ہوتے گئے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے نبوت کا اعلان یک لخت نہیں کیا۔ بلکہ پہلے پہل وہ ایک مبلغ اور مصلح کی حیثیت سے سامنے آئے۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۳۸) پھر محدث ہونے کا دعویٰ کیا۔ لکھتے ہیں "نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدث کا دعویٰ ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۴۲۱) ۱۸۸۴ء میں مجدد ہونے کا اعلان کیا چنانچہ ان کے بقول "اور مصنف کو بھی اس بات کا علم دیا گیا کہ وہ مجدد وقت ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۱۵) پھر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ فرماتے ہیں۔ "مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔" (اشتہار مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۲۱) ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:۔

"میں مسیح موعود ہوں" (ازالہ اوہام ص ۶۸۳) حتیٰ کہ آخر کار مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کر دیا۔ فرماتے ہیں:۔ "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا" (دافع البلاء ص ۱۰-۱۱)

"اس نبوت میں نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔" (حقیقت الوحی ص ۳۹۱)

مختصر یہ کہ مرزا صاحب کے مذہبی خبط عظمت کے وہ وسوسے جو تقریباً ۱۸۷۹ء میں شروع ہوئے بڑھتے بڑھتے ۱۹۰۱ء میں نبوت کے دعوے پر منتج ہوئے مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔ "حال یہ ہے اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہو رہے ہیں اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آگیا ہے۔" (خط مرزا صاحب مندرجہ اخبار الحکم قادیان جلد ۳ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

۴۔ بعض مریضوں کی طرح آپ کو سمعی اور بصری واہمے HALLUCINATIONI آتے تھے انہیں آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اور لوگ نظر آتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "میرے پاس جبرائیل آیا اور اس نے مجھے چن لیا۔" (مواہب الرحمٰن ص ۴۳) "بعض اوقات دیر دیر تک خدا مجھ سے باتیں کرتا رہتا۔" (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۸۵ مصنفہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد)

۵۔ مذہبی خبط عظمت میں مریض محسوس کرتا ہے اور دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اسے الہامات ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات میں جگہ جگہ اپنی وحی اور الہامات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

"یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اس بندے پر نازل فرمایا۔" (سراج منیر ص ۳۰۲)

"بیس سال سے متواتر اس عاجز پر الہام ہوا ہے۔" (خط مرزا صاحب مندرجہ اخبار الحکم قادیان جلد ۳ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

رس بس جاتا ہے۔ ایسے مریض کے وسوسے اور خبط DELUSIONS نہایت منظم، مربوط۔ مندون۔ مدلل منطقی، مستقل، متعین شدہ WELL FIXED پیچیدہ INTRICATE اور الجھے ہوئے COMDLEX ہوتے ہیں۔ یہ وسوسے اکثر ایک ہی مرکزی خیال کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ مرض عموماً آہستہ آہستہ ہی بڑھتا ہے۔

اکثر مریضوں کی شخصیت میں کوئی نمایاں خرابی یا نقص نہیں ہوتا۔ مریض محض اسی وسوسے یا خبط PELUSION کی حد تک ابنارمل ہوتا ہے۔ ورنہ باقی ہر لحاظ سے وہ صحیح عقل و فہم کا مالک ہوتا ہے اور بادی النظر میں بالکل نارمل دکھائی دیتا ہے۔

بعض مریضوں کو سمعی اور بصری واہم HALLUCINATIONS آتے ہیں۔ انہیں طرح طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ چیزیں نظر آتی ہیں۔ یعنی مریض حواس خمسہ کے مختلف حواس سے کچھ نہ کچھ محسوس کرتا ہے۔ حالاں کہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اس نظام کے بنیادی وسوسے دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) اذیت بخش وسوسے (خبط اذیت) ۲۔ پرشکوہ یا اقتداری وسوسے (خبط عظمت)

خبط اذیت میں مریض سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ یہ لوگوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور خبط عظمت کی وجہ سے مریض اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی اور عظیم ہستی تصور کرتا ہے۔

خبط عظمت کی ایک قسم مذہبی خبط عظمت ہے۔ جس میں مریض سمجھتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے "خدا مجھے محبت کرتا ہے۔ میں اللہ کا منتخب بندہ ہوں۔ اور اس کا برگزیدہ خادم ہوں ـــ خدا کا نبی اور رسول ہوں اور مجھے خدا نے دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے۔" ایسے لوگ نئے نئے دین وضع کرتے ہیں۔ مذہبی کتابوں اور اصطلاحوں کی نئی نئی تفسیریں کرتے ہیں تاکہ انہیں تصورات کے مطابق ڈھال لیں۔ مریض محسوس کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور اسے الہامات ہوتے ہیں (تحلیل نفسی۔ حزب اللہ۔ ابنارمل مائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف: کول مین)

یہ مرض عموماً مردوں کو ہوتا ہے۔ وہ بھی تیس سال کے بعد عمر کے آخری حصہ میں۔ اس قسم کے مریض بہت شکی مزاج۔ خود پسندار SELF IMP RTANT متکبر ARROGANT گستاخ، مغرور اور نہایت حساس ہوتے ہیں۔ تنقید قطعاً برداشت نہیں کرسکتے۔ فوراً بھڑک اٹھتے ہیں۔ ایسے مریض زبردست احساس برتری کا شکار رہتے ہیں۔ مگر ان کے احساس برتری کے پس منظر میں احساس کمتری کارفرما ہوتا ہے۔ ان مریضوں کی اکثریت جنسی مسائل سے دوچار ہوتی ہے (ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف: کول مین)

دوسری طرف لکھتے ہیں۔ "زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے جن سے مجھے واقفیت نہیں۔ جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ" (نزول المسیح صہ ۵۷) یاد رہے کہ مرزا صاحب کی اصل زبان پنجابی تھی۔ جب کہ ان کو زیادہ تر الہام اردو میں ہوئے۔

مزید برآں بقول مرزا صاحب ان کو الہام بھی ہوتا تھا۔ آپ نے اپنی کتب میں اپنے بہت سے الہاموں کا ذکر کیا ہے۔ مرزا صاحب کو پہلا الہام ۱۸۶۵ء میں ہوا۔ بعدازاں مرزا صاحب کے بقول الہامات کی بھرمار شروع ہوگئی۔ چند الہامات ملاحظہ فرمائیے۔

" تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ لوگ (بزدلی) سے" (انجام آتھم صہ ۵۵)

" خاکسار پیپرمنٹ" (البشریٰ جلد ۲ صہ ۹۷) " عالم کباب" (البشریٰ جلد ۲ صہ ۱۱۶)

" آسمان سے دودھ اترا محفوظ رکھو" (البشریٰ جلد ۲ صہ ۱۱۲) "کنواری بیوی"

" بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے" (تتمہ حقیقت الوحی صہ ۱۴۳)

" ہمارا رب حاجی ہے" (براہین احمدیہ جلد ۳ صہ ۵۲۳)

" میری نعمت کا شکر کر تونے میری خدیجہ کو دیکھ لیا" (براہین احمدیہ جلد ۳ صہ ۵۵۷)

WE CAN WAHAT WEDO (" " " ۴۸۰)

تضادات اور تناقصات کے علاوہ اگر مرزا صاحب کے ایسے الہامات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا لغو، بے مقصد اور لایعنی کلام خدا کا تو کیا کسی نارمل انسان کا بھی نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نہ تھا بلکہ یہ ایک نفسیاتی بیماری پیرانائے PARANIA کے تحت تھا۔ کیونکہ اگر یہ دعویٰ نبوت کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوتا تو مرزا صاحب کی تحریروں میں اس قدر کھلا تضاد نہ ہوتا اور نہ ہی وہ اپنی تصنیفات میں اپنے لغو بے مقصد اور لایعنی الہامات کا ذکر کرتے۔ مرزا صاحب کے انگریزی الہامات کی زبان تک درست نہیں۔ مزید برآں سوچا سمجھا دعویٰ ہمیشہ ایسی کھلی اور واضح غلطیوں سے پاک ہوتا ہے۔

اس بیماری کے تحت مرزا صاحب کا یہ دعویٰ نبوت کوئی نیا یا انوکھا نہیں بلکہ اگر آپ آج بھی کسی پاگل خانے میں چلے جائیں تو وہاں آپ کی ملاقات پانچ سات ولیوں۔ دو چار نبیوں اور ایک آدھ خدا سے ضرور ہو جائے گی۔

پیرانائے PARANIA | پیرانائے (PARANIA) دیوانگی یا شدید دماغی خلل PSYCHOSIS کی وہ صورت ہے جب کہ وسوسوں یا خبطوں DELUSIONS کا ایک منظم گروہ مریض کے ذہن میں

کے خلاف دفاعی فصیل سی بنا دیتا ہے۔ (ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف، کول مین تحلیل نفسی: حزب اللہ)

پیرانائے کی ایک وجہ جنسی عدم مطابقت SEXVAL MALADJUSTMENT بھی بیان کی جاتی ہے۔ پیرانائے کے مریضوں کی اکثریت جنسی مسائل، پریشانیوں اور مشکلات کا شکار ہوتی ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ یہ مسائل ہم جنسیت ہی کے ہوں جیسا کہ فرائڈ کا خیال ہے۔ (ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف، کول مین)

بقول کول مین عصر حاضر کے محققین کی اکثریت کے خیال کے مطابق اس بیماری کی تشکیل میں اہم ترین عناصر فرد کی دوسرے لوگوں کے ساتھ باہمی تعلقات میں دشواری، اپنی کوتاہی وکمزوری اور کمتری کا شدید احساس ہے۔

بعض دوسرے ماہرین کی رائے میں اس بیماری کی تشکیل میں عموماً مندرجہ ذیل وجوہات پائی جاتی ہیں۔
غیر اخلاقی کردار پر احساس گناہ۔ دبی ہوئی ہم جنسی خواہشات۔ احساس کمتری اور اعلیٰ غیر حقیقت پسندانہ امنگیں

مرزا صاحب ایک نفسیاتی مریض | اگر پیرانائے کے مرض کی علامات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ اس مرض کی کم وبیش تمام علامات مرزا صاحب میں موجود تھیں مثلاً:۔

۱۔ تمام مریضوں کی طرح مرزا صاحب کے تمام وسوسے DELUSIONS خوب منظم اور اکثر مریضوں کی طرح ایک ہی مرکزی خیال کہ وہ دنیا کی اصلاح کے لئے خدا کی طرف سے مامور ہیں کے گرد گھومتے ہیں۔ آپ پہلے ایک مصلح کی حیثیت سے سامنے آئے۔ پھر محدث کی حیثیت سے سامنے آئے۔ پھر محدث اور مجدد ہونے کا اعلان کیا۔ بعد ازاں مثیل مسیح اور مسیح موعود بنے۔ اور آخر کار نبوت کا اعلان کر دیا۔ ان تمام دعووں کا مرکزی خیال ایک ہی ہے۔ کہ وہ خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے مامور ہیں۔ اگرچہ بیماری کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کا دعویٰ بھی بڑھتا چلا گیا۔

۲۔ مرزا صاحب کے وسوسے اگرچہ مربوط، مدلل اور ایک ہی مرکزی خیال کے گرد گھومتے تھے مگر اکثر مریضوں کی طرح ان کے وسوسے خاصے پیچیدہ اور الجھے ہوئے تھے۔ ان کے الجھاؤ کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ وہ کبھی اپنے آپ کو مصلح (براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۳۸) اور محدث (ازالہ اوہام ص ۴۲۱) کہتے ہیں اور کبھی مجدد (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۱۵) کبھی مثیل مسیح (تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۲۱) اور مسیح موعود (ازالہ اوہام ص ۶۸۳) ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کبھی نبی (دافع البلاء ص ۱۰-۱۱) ہونے کا حتیٰ کہ کبھی کرشن اور گوپال ہونے کا اعلان کرتے ہیں (ملفوظات احمدیہ حصہ چہارم ص ۱۴۲)

مرزا صاحب کے وسوسوں کی پیچیدگی ان کے بعض الہامات سے مزید ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً "مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی۔ اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔ اور آخر کئی مہینے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں۔ بذریعہ اس الہام ـــــ مجھے مریم سے عیسیٰ بنا دیا گیا پس اس طرح میں ابن مریم ٹھہرا (کشتی نوح

پیرانائے کے اکثر مریض ذہین افراد ہوتے ہیں۔ ظاہری طور پر چونکہ بالکل نارمل معلوم ہوتے ہیں لہذا ہر قسم کے دلائل سے اپنی بات وقتی طور پر منوا لیتے ہیں۔ یہ لوگ واقعات اور حقائق کو اس طرح توڑ موڑ لیتے ہیں کہ وہ ان کے وسوسوں پر ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ (تحلیل نفسی - حزب اللہ)

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے۔ کہ جب مریض کو یہ وسوسے DELUSIONS آنے شروع ہوتے ہیں۔ تو مریض کے دوست احباب اور عزیز و اقارب کو اس کی اس تبدیلی کا احساس تک نہیں ہوتا اور وہ اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ کیونکہ مریض ظاہری طور پر بالکل نارمل ہوتا ہے۔ پھر جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے یہ وسوسے زیادہ منظم ہوتے جاتے ہیں۔ اور مریض زیادہ مدلل۔ منطقی اور معقول معلوم ہوتا ہے۔ مرض جتنا شدید ہوگا اس کی گفتگو اتنی ہی مدلل، منطقی اور معقول معلوم ہوتی ہے (سائیکالوجی اینڈ لائف۔ رش)

ایسے مریض اپنے خیالات اور نظریات کو نہایت مربوط اور مدلل انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ لوگ ان پر یقین کر لیتے ہیں۔ ایسے افراد اپنے رشتہ داروں۔ دوست احباب اور بعض دوسرے معقول افراد کو اپنے دعوے کی سچائی پر مطمئن کر لیتے ہیں (ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف ؛ کول مین)

مریض عموماً سمجھتا ہے اور اسے اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے نظریات اور خیالات کو وسوسے DELUSIONS خیال کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ ان کی واضح تردید سے مطمئن نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا وسوسی نظام بہت پختہ اور اس کی ساخت پرداخت حد درجہ منطقی ہوتی ہے جس کی وجہ سے مریض اپنے وسوسوں پر جما ٹکا رہتا ہے (تحلیل نفسی ؛ حزب اللہ)

عمومی وجوہات | پیرانائے کی تشکیل میں مریض کی معاشرتی، سماجی، پیشہ ورانہ اور ازدواجی زندگی کی ناکامیاں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ ناکامیاں مریض کی خودی (انا) اور شخصی اہمیت کے تصور کو خطرے میں ڈال دیتی ہے جس سے اس کا وقار سخت مجروح ہوتا ہے۔ ایسے افراد کے مقاصد زندگی اور خیالات بہت بلند IDEAL ہوتے ہیں۔ مگر جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ناکامی ان میں احساس کمزوری اور احساس کمتری پیدا کر دیتی ہے۔ اور پھر وہ اس احساس کمتری کو مٹانے یا کم کرنے کے لئے اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں (ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف ؛ کول مین)

فرائڈ کے نزدیک اس مرض کے پیچھے دبی ہوئی ہم جنسی تمناؤں اور خواہشات کا گہرا ہاتھ ہوتا ہے اگرچہ مریض کو ان کا شعور و احساس نہیں ہوتا۔ یہ خواہشات نہایت غیر اخلاقی اور ناقابل قبول سمجھی جاتی ہیں۔ جو مریض کو پریشان کرتی ہیں۔ نتیجۃً مریض احساس گناہ اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کی تلافی کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو بلند و اعلیٰ دکھانا چاہتا ہے۔ اس طرح اپنے وسوسوں کو ناقابل قبول اور متنفرانہ تمناؤں

چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"حالت مردمی کالعدم"، (نزول المسیح ص ۲۰۹)

"جب میں نے شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں آخر میں صبر کیا" (المکتوب احمدیہ جلد پنجم خط نمبر ۱۴)

"میری حالت مردمی کالعدم تھی" (تریاق القلوب ص ۳۵، ۳۶)

۱۱- چونکہ یہ مریض اکثر ذہین افراد ہوتے ہیں۔ لہذا یہ لوگ واقعات اور حقائق کو اس طرح توڑ موڑ لیتے ہیں کہ وہ ان کے وسوسوں پر ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی ابن مریم اور نبی بننے کے لئے حقائق کو توڑتے موڑتے رہے۔ چنانچہ آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اور چونکہ مسیح موعود تو حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ لہذا مرزا صاحب نے خود عیسیٰ ابن مریم بننے کے لئے یہ پر لطف تاویل فرمائی۔ "اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریم رکھا پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔ دو برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی.... پھر.... مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی۔ اور استعارے کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔ اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اسی طور سے عیسیٰ ابن مریم ٹھہرا" (کشتی نوح ص ۸۷ تا ۸۹)

یعنی پہلے آپ مریم بنے پھر خود ہی حاملہ ہوئے پھر اپنے پیٹ سے آپ عیسیٰ ابن مریم بن کر تولد ہو گئے اس کے بعد یہ مشکل آئی کہ عیسیٰ ابن مریم کا نزول تو احادیث کی رو سے دمشق میں ہونا تھا جو کئی ہزار برس سے شام کا ایک مشہور و معروف مقام ہے۔ یہ مشکل ایک دوسری دلچسپ تاویل سے یوں رفع کی گئی لکھتے ہیں :۔

"واضح ہو کہ دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر منجانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا کہ اس جگہ ایسے قصبے کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں — یہ قصبہ قادیان بوجہ اس کے کہ اکثر یزیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں دمشق سے ایک مشابہت اور مناسبت رکھتا ہے" (حاشیہ ازالہ اوہام ص ۶۳ تا ۷۳)

۱۲- خبط عظمت اکثر مریضوں کی طرح مرزا صاحب کی شخصیت میں بھی کوئی نمایاں خرابی یا نقص نہ تھا بلکہ ظاہراً آپ بالکل نارمل انسان تھے۔ آپ بھی محض اپنے وسوسوں DELUSIONS کی حد تک ابنارمل تھے۔ مزید برآں مرزا صاحب اکثر مریضوں کی طرح کافی ذہین اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے مالک تھے چنانچہ آپ نے اپنے خیالات اور نظریات کو نہایت مربوط اور مدلل انداز میں پیش کیا جس کی وجہ سے نہ صرف ان کے قریبی

صورت میں میرا نفس درمیان نہیں ہے۔ بلکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمد کے پاس ہی رہی۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

۷۔ اس مرض کے عام مریضوں کی طرح مرزا صاحب کو بھی ۳۰ سال کے بعد عمر کے دوسرے حصہ میں لاحق ہوا۔ آپ ۴۰-۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۱ھ میں پہلی مرتبہ اپنی تصنیف "فتح الاسلام" میں مثیل مسیح اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ بعد ازاں ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

۸۔ خبط عظمت کے گرفتار دیگر مریضوں کی مانند مرزا صاحب بھی بہت حساس تھے۔ اپنے خلاف تنقید ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اُس دور کے جن علماء نے ان کے دعویٰ نبوت پر تنقید کی۔ وہ ان پر برس پڑے حتیٰ کہ گالی گلوچ پر اُتر آئے۔ مثلاً مولانا ثناء اللہ امرتسری کے متعلق لکھتے ہیں۔

"کفن فروش۔ کتا۔ خبیث۔ سور۔ گوہ خور" (اعجاز احمدی الہامات سند از شیخ الاسلام)

مولانا سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق لکھتے ہیں:-

"غول۔ لئیم۔ فاسق۔ ملعون۔ نطفہ سفہاء۔ خبیث۔ کنجری کا بیٹا" (انجام آتھم ۲۸۱)

۹۔ خبط عظمت کے اکثر مریضوں کی طرح مرزا صاحب بھی زبردست احساس برتری کا شکار تھے اور ان کا یہ احساس اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اول تو وہ اپنے آپ کو تمام انبیاء کا ہم پلہ اور ہم چشم سمجھتے تھے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنے تئیں جامع کمالات انبیاء بلکہ تمام انبیاء سے افضل نبی گردانتے تھے۔ چنانچہ ان کے بقول

ا۔ "خدا نے میرے ہزارہا نشانوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت کم نبی گذرے ہیں جن کی تائید کی گئی"
(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸)

ب۔ "اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر راست باز اور مقدس نبی گذر چکے ہیں ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کئے جاویں سو وہ میں ہوں" (براہین احمدیہ پنجم ص ۹۰/۱۰۱)

ج۔ "اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمان کو پیدا نہ کرتا" (حقیقۃ الوحی ص ۹۹)

د۔ مرزا صاحب اپنے کو حضرت آدمؑ (خطبات الہامیہ) حضرت نوحؑ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۷) حضرت یوسفؑ (براہین احمدیہ پنجم) اور حضرت عیسیٰؑ (تریاق قلوب ص ۱۵) سے افضل سمجھتے تھے۔

ر۔ "اور اس شخص (مرزا صاحب) کو تم نے دیکھ لیا جس کو دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی" (اربعین ص ۴-۱۴)

۱۰۔ بقول کولمین ان مریضوں کی اکثریت جنسی مسائل سے دوچار ہوتی ہے۔ مرزا صاحب بھی اسی اکثریت میں شامل تھے۔ مرزا صاحب کی قوتِ مردمی کمزور تھی۔ جس کا مرزا صاحب کو علم بلکہ پوری شدت سے احساس تھا

میں آپ کی بیماری کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں :۔

اگر ہیراناۓ کی عام وجوہات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ زیادہ تر مریض انہی وجوہات کی بنا پر اس مرض کا شکار ہوتے ہیں ۔

۱۔ مرزا صاحب کی اس بیماری کی تشکیل میں ان کی پیشہ ورانہ اور ازدواجی زندگی کی ناکامیوں نے اہم کردار ادا کیا ہے ۔ آپ کی ابتدائی زندگی عسرت اور غربت سے شروع ہوئی۔ لکھتے ہیں :۔

" مجھے صرف اپنے دسترخوان اور روٹی کی فکر تھی " (نزول مسیح ص ۱۱۸) بعد ازاں ۱۸۶۸-۶۷ء میں آپ نے سیالکوٹ کی کچہری میں بطور محرر ملازمت کی ۔ اس دوران ترقی کے لئے مختاری کا امتحان دیا مگر ناکام رہے۔

" آپ (مرزا صاحب) نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور قانون کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے " (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۳۴۔ مرزا بشیر احمد)

اسی طرح مرزا صاحب کی ازدواجی زندگی بھی کچھ زیادہ کامیاب نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی قوت مردمی کمزور تھی لکھتے ہیں " جب میں نے شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں آخر میں نے صبر کیا " (المکتوب احمدیہ جلد پنجم خط نمبر ۱۴) " حالت مردمی کالعدم " (نزول المسیح ص ۲۰۹)

پیشہ ورانہ اور ازدواجی ناکامیوں نے مرزا صاحب کی انا اور وقار کو سخت مجروح کیا۔ جس سے آپ میں اپنی کوتاہی کمزوری اور کمتری کا شدید احساس پیدا ہو گیا۔ پھر اس احساس کو مٹانے کے لئے آپ نے اپنے آپ کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔

۲۔ اکثر مریضوں کی طرح مرزا صاحب بھی جنسی مسائل (جنسی عدم مطابقت SEXUAL MALADJUSTMENT) کا شکار تھے ۔ کیونکہ آپ جنسی لحاظ سے کمزور تھے اور اس کمزوری کی وجہ سے ازدواجی فرائض بہتر طور پر ادا نہ کر سکتے تھے ۔ جس کی وجہ سے ان میں شدید احساسِ گناہ پیدا ہوا۔ پھر اس کی تلافی کرنے کے لئے اپنے آپ کو بلند و اعلیٰ دکھانا شروع کر دیا۔

۳۔ ممکن ہے کہ فرائڈ کے نظریئے کے مطابق مرزا صاحب کے مذہبی خبط عظمت کے پیچھے ہم جنسی تمناؤں اور خواہشات کا ہاتھ ہو۔ ممکن اس لئے کہ مریض کو ایسی خواہشات کا احساس اور شعور نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ خواہشات لاشعوری ہوتی ہیں ۔ چونکہ یہ خواہشات نہایت غیر اخلاقی اور ناقابلِ قبول سمجھی جاتی ہیں جو مریض کو پریشان کرتی ہیں نتیجۃً مریض احساس گناہ اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے پھر اس کی تلافی کرنے کے لئے مرزا صاحب نے اپنے آپ کو بلند و اعلیٰ بنا کر پیش کیا ۔ اس طرح اپنے وسوسوں کو ناقابلِ قبول اور متنفرانہ تمناؤں کے خلاف دفاعی فصیل بنا دیا ۔

عزیزوں اور دوستوں بلکہ معاشرے کے بعض دوسرے ذہین افراد نے بھی ان کے دعوے کی سچائی کو مان لیا۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں ۲۰ برس تک مرزا صاحب کے مرید رہے۔ بعدازاں توبہ کر لی۔ اور مرزا صاحب کے شدید مخالف بن گئے۔

۱۳۔ مریض کو عموماً احساس اور اعتراف ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے نظریات اور خیالات کو درست خیال نہیں کرتے مگر پھر بھی وہ ان کی واضح تردید سے مطمئن نہیں ہوتا۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

" اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ (مولانا ثناء اللہ امرتسری) اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔" (مرزا صاحب کا اشتہار مورخہ ۵ اپریل ۱۹۰۷ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم ص ۱۲۰)

یعنی مرزا صاحب کو بھی احساس تھا کہ دوسرے لوگ ان کے خیالات کو درست نہیں سمجھتے مگر مولانا ثناء اللہ اور دوسرے علماء کی واضح تردید سے بھی آپ مطمئن نہیں ہوئے بلکہ نبوت کا شوق جاری رکھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مرزا صاحب مذکورہ بالا اشتہار کے ایک سال بعد فوت ہو گئے۔ جب کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تیس سال تک زندہ رہے۔

۱۴۔ اگرچہ مرزا صاحب کو کوئی دوسری شدید ذہنی بیماری PSYCHOSIS لاحق نہ تھی جس کی وجہ سے وہ ظاہری طور پر نارمل معلوم ہوتے تھے۔ مگر مرزا صاحب کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد نے ان کی بعض خفیف ذہنی بیماریوں NEUROSES کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

" مرزا صاحب کو جوانی میں ہسٹریا کی شکایت ہو گئی تھی اور کبھی کبھی اس کا ایسا دورہ پڑتا تھا کہ بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۷، مصنفہ مرزا بشیر احمد)

" اور پھر ان سب پر مستزاد مالیخولیا اور مراق کا موذی مرض" (سیرۃ المہدی حصہ دوم ص ۵۵ مصنفہ مرزا بشیر احمد)

مذکورہ بالا واقعات، حقائق اور دلائل سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خبط عظمت کی کم و بیش تمام علامات مرزا صاحب کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب دراصل ایک شدید ذہنی بیماری (PSYCHOSIS پیرانائے PARANIA) میں مبتلا تھے۔ اور ان کا دعویٰ نبوت بھی اسی بیماری کے اثر کا نتیجہ تھا۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو یہ نفسیاتی بیماری کیوں لاحق ہوئی؟ ہمارے خیال

"مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن پر" (اربعین نمبر ۴ ص ۲۵)

۶- جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ مذہبی خبط عظمت کا مریض سمجھتا اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا منتخب بندہ اور اس کا برگزیدہ خادم ہے۔ خدا نے دنیا کی اصلاح کے لئے اسے بھیجا ہے۔ ایسے لوگ نئے نئے دین وضع کرتے ہیں۔ مذہبی کتابوں اور اصطلاحوں کی نئی نئی تفسیریں ایجاد کرتے ہیں تاکہ انہیں اپنے تصورات کے مطابق ڈھال لیں۔

مرزا صاحب چونکہ مذہبی خبط عظمت کے مرید تھے چنانچہ ان کے دعوے بالکل اسی نوعیت کے تھے مثلاً "خدا نے مجھے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا" (اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت ص ۸۲) براہین احمدیہ میں اپنی ذات کے متعلق بار بار اظہار کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی اصلاح اور اسلام کی دعوت کے لئے خدا کی طرف سے مامور اور عصر حاضر کے مجدد ہیں۔ اور ان کو حضرت مسیح سے مماثلت ہے" (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۲۹۔ مصنفہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد)

چنانچہ مرزا صاحب نے ایک نیا دین وضع کیا اور نبی بن گئے۔ اس کے لئے قرآن و حدیث کی عجیب و غریب تشریح اور تفسیر کی جو کہ نہ صرف علماء امت کے اجماع کے خلاف ہے بلکہ ان کے اپنے ابتدائی خیالات کے بھی برعکس ہے مثلاً ابتدا میں آپ ختم نبوت کے قائل تھے اور ختم نبوت کے منکر کو کافر سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "قرآن کریم بعد خاتم النبیین کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا" (ازالہ اوہام ص ۷۶۱) "اللہ کو شایان شان نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی بھیجے۔ اور نہیں شایان کہ سلسلہ نبوت کو دوبارہ شروع کردے۔ بعد اس کے کہ اسے قطع کر چکا ہو" (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۷۷)

"ہم اس بات کے قائل ہیں اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا" (سراج منیر ۳۰۲)

چنانچہ بعد ازاں جب مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لفظ ختم نبوت کی عجیب و غریب تعبیر اور تفسیر کی۔ اور اس کو اپنے تصورات کے مطابق ڈھال لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔" وہ (آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ان معنوں میں خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت ان پر ختم ہیں" (چشمہ معرفت ضمیمہ ص ۹) یعنی "خاتم النبیین" کے معنی آخری نبی کے نہیں بلکہ افضل النبیین کے ہیں۔ اس طرح نبوت کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے البتہ کمالات نبوت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو گئے ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی نبوت اور رسالت کے لئے ایک اور دلچسپ تاویل کی۔ لکھتے ہیں:۔ "مجھے بروزی صورت میں نبی اور رسول بنایا ہے۔ اور اس بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی

جب سورج دہکے دھوپ جلے
رُوح افزا سے راحت ملے

مشروبِ مشرق رُوح افزا اپنے منفرد خواص کی بدولت
نظامِ حرارت وبرودت میں توازن اور اعتدال پیدا کر کے گرمی کی شدّت اور بے چینی سے محفوظ رکھتا ہے،
جسم وجان کو ٹھنڈک پہنچا کر پیاس بجھاتا ہے اور تسکین بخشتا ہے۔

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

رُوح افزا مشروبِ مشرق

آوازِ اخلاق
اخلاق عملاً مذہب ہے اور مذہب اصولاً اخلاق ہے۔

Adarts HRA-5/84

قسط دوم

مولانا محمد شہاب الدین ندوی۔ ناظم فرقانیہ اکیڈمی
بنگلور ۵۷-۔ انڈیا

عورت کی معاشی و تمدّنی سرگرمیاں

اسلام کی نظر میں

عورت پر چند تمدنی پابندیاں | یہ ہے اسلام میں عورت کے مقام و مرتبے کی ایک جھلک۔ اس جائزے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ دنیا کی بہت سی قدیم قوموں کے برعکس اسلام عورت کو معاشرے میں کتنا اونچا مقام عطا کرتا ہے اور اس مظلوم ہستی کو جو اسلام سے قبل پیروں تلے روندی جا رہی تھی اور معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی کس قدر عزت و شرف عنایت کرتا ہے۔ مگر چوں کہ اسلام معاشرے کی فلاح و بہبود کا داعی اور تکمیلِ انسانیت کا علمبردار ہے اس لئے وہ عورت کو شمع محفل بننے اور فتنے و فساد کا محرک قرار پانے کی کبھی اجازت نہیں دیتا۔ جس طرح کہ تہذیب جدید کے علمبرداروں نے عورت اور مرد کے فطری حدود کو برقرار نہ رکھتے ہوئے محض اپنے سفلی جذبات کی تسکین کی خاطر ایک مصنوعی معاشرہ تعمیر کرنے کی راہ میں اختیار کر رکھا ہے۔ لہٰذا وہ عورت پر چند مزید اخلاقی و تمدنی پابندیاں بھی عائد کرتا ہے تاکہ انسانی معاشرے میں شر و فساد کا کوئی خطرہ ہی باقی نہ رہے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے حدود میں رہ کر ایک بہتر معاشرے کی تعمیر کر سکیں۔ لہٰذا ان میں سے بعض ضوابط کا تذکرہ اس موقع پر ناگزیر معلوم ہوتا ہے جن کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کا پردہ اور حجاب ضروری ہے تاکہ معاشرے میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کے فساد کا احتمال بھی باقی نہ رہے۔ یہ موقع چونکہ پردے پر تفصیلی بحث کا نہیں ہے اس لئے اس موقع پر صرف چند احکام کے بیان کر دینے پر اکتفا کیا جائے گا۔

قرآن حکیم نے ازواج مطہرات، بنات طیبات اور عام مومن عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلیں تو اپنے چہروں پر گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔

یا ایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المومنین یدنین من جلابیبھنّ

اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنے چہروں پر اپنی چادروں سے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ (سورۂ احزاب ۵۹)

اب رہا معاملہ جہاد میں عورتوں کی شرکت کا جس کی چند مثالیں ہمیں احادیث کی تصریحات کے مطابق دورِ رسالت میں ملتی ہیں ۔ تو یہ عورتوں کے لئے اذنِ عام یا اختیاری معاملہ نہیں تھا ۔ بلکہ اس سلسلہ میں چند مخصوص اور غالباً تربیت یافتہ خواتین کو متعین کیا گیا تھا ۔ جو اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ساتھ جاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی دیکھ بھال وغیرہ کرتی تھیں ۔ اور غالباً یہ بات مردوں کی شدید کمی اور ایک اہم فوجی ضرورت کے تحت روا رکھی گئی تھی ۔ اس کے برعکس ایسی عورتوں کو جو اپنے اختیار سے اور رضاکارانہ طور پر اس خدمت میں شریک ہونا چاہتی تھیں روکا گیا اور ان کی ہمت شکنی کی گئی جیسا کہ احادیث میں صراحت موجود ہے ۔ چنانچہ بعض واقعات ملاحظہ ہوں ۔

۱۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یغزوا بام سلیم ونسوۃ معھا من الانصار یسقین الماء ویداوین الجرحٰی ۔

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امّ سلیم کو ساتھ لے کر غزوات کے لئے نکلا کرتے تھے اور ام سلیمؓ کے ساتھ انصار کی چند عورتیں ہوتی تھیں جو جنگ میں پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں ۔ (ترمذی)

اس حدیث کے الفاظ صاف دلالت کر رہے ہیں کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ آپ ہمیشہ یا اکثر و بیشتر جہاد کے لئے ام سلیمؓ کو ساتھ لے کر نکلا کرتے تھے ۔ جو رشتے میں آپؐ کی پھوپی اور حضرت انسؓ کی والدہ تھیں ۔ اور دوسری حقیقت یہ ثابت ہو رہی ہے کہ صرف چند انصاری عورتیں ام سلیمؓ کے ساتھ ہوا کرتی تھیں جیسا کہ " ونسوۃ معھا " کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں ۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ چند انصاری عورتیں ہمیشہ ام سلیمؓ کی کمان میں ہوا کرتی تھیں ۔ گویا کہ آپ ان عورتوں کی کمانڈر تھیں ۔ اور اغلب یہ ہے کہ یہ خواتین تربیت یافتہ رہی ہوں گی جن کو یہ تربیت دی گئی تھی ۔ کہ وہ اجنبی مردوں سے شرعی حدود وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کس طرح معاملہ کریں ، ورنہ اس تخصیص کی کوئی دوسری وجہ سمجھ میں نہیں آتی ۔ اسلامی جنگوں میں شریک ہو کر تیمارداری کرنے والی مسلم خواتین کو موجودہ دور کی نرسوں پر قیاس نہ کیا جائے جو چست اور نیم عریاں لباس پہنے ہوئے اٹھلاتی پھرتی اور اپنی ننگی ٹانگوں کی نمائش کرتی نظر آتی ہیں ۔

۲۔ اس کے برعکس جنگوں میں عورتوں کی عمومی شرکت کو ناپسند کیا گیا جیسا کہ غزوۂ خیبر کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے بغیر اجازت شریک ہونے والی چھ عورتوں کی ایک جماعت پر اپنے سخت غصے اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں واپس بھیج دیا ۔ نیز آپؐ نے ان عورتوں سے بازپرس کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ :۔

" تم کس کی اجازت سے اور کس کے ساتھ آئی ہو؟ " اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگوں میں عورتوں کی

شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ "جو عورت غیر مردوں میں اپنی زینت دکھاتی پھرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔"

مثل الرافلة فی الزینة فی غیر اهلها کمثل ظلمة یوم القیمة لا نور لها۔

غیر مردوں میں اپنی زینت کی نمائش کرنے والی کی مثال ایسی ہے جیسے قیامت کے دن کی ظلمت، جس میں کوئی روشنی نہ ہو (ترمذی۔ الرضاع)

نیز آپ نے فرمایا کہ "جو عورت خوشبو لگا کر مسجد کو جائے اس کی نماز قبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس خوشبو کو اچھی طرح دھو نہ ڈالے۔" (ابو داؤد)

۵۔ عورت جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہو سکتی اور جنازے کے پیچھے نہیں چل سکتی کیونکہ یہ دونوں امور اس کے فرائض سے ساقط ہیں۔ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ اس کو پبلک مقامات میں آنے سے روکنا ہے۔

ونهی عن اتباع الجنائز، ولا جمعة علینا

اُم عطیہ کہتی ہیں کہ "ہم کو جنازوں کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا۔ اور ہم پر جمعہ بھی نہیں ہے۔" (مسند احمد ۵/۸۵)

۶۔ اسلام کے نزدیک عورت کو محض عورت رہنا چاہیے۔ کسی عورت کو مردوں سے ریس کرنا یا مردوں کے کاموں میں دخل دینا تو درکنار کسی بھی حیثیت سے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے بھی روکا گیا ہے تاکہ معاشرے میں کسی بھی قسم کا التباس کبھی پیدا ہونے نہ پائے۔ اسی طرح مردوں کو بھی عورتوں کا لباس پہننے یا ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهین من الرجال بالنساء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت کرتی ہوں اور اسی طرح ان مردوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہوں۔ (بخاری، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ)

لعن النبی صلعم المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث مردوں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو خواہ مخواہ مرد بننے کی کوشش کرتی ہوں۔ (بخاری کتاب اللباس)

یہ چند حدود و ضوابط ہیں جن کے ملاحظہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام کس قسم کے ضابطۂ اخلاق کی پابندی کرانا اور کس قسم کے معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اس معاملے میں وہ کسی قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ ڈھیل دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ جس کی بنا پر معاشرے میں کوئی رخنہ یا شگاف پیدا ہو سکتا ہو یا بدگمانیوں اور افواہوں

دنیا میں جتنے بھی جھگڑے فسادات ہوتے ہیں وہ زر، زن اور زمین کی وجہ سے ہوتے ہیں مگر ان میں فتنۂ زن یعنی حسن وجمال کا فتنہ سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ "عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ تاکہ اس کی وجہ سے فتنہ برپا کر سکے"

المرأة عورةٌ، فاذا خرجت استشرفها الشیطان

عورت پوشیدہ رکھی جانے والی چیز ہے یعنی اس کے لئے پردہ ضروری ہے کیونکہ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے۔ (ترمذی - ابواب الرضاع)

۲۔ یہی وجہ ہے کہ اجنبی مردوں کو کسی عورت سے تنہائی میں ملنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اِلّا یہ کہ ان کے ساتھ کوئی ذی محرم شخص بھی موجود ہو۔ اور ذی محرم وہ ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح نہ ہو سکتا ہو جیسے باپ، بھائی، بیٹا، بھتیجا اور بھانجا وغیرہ۔

لا یخلونّ رجلٌ بامرأةٍ الا مع ذی محرم۔

کوئی شخص کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس عورت کا کوئی ذی محرم شخص بھی موجود ہو۔ (بخاری کتاب النکاح باب ۱۱۱)

لا یخلون رجل بامرأة الا کان ثالثھما الشیطان

جب کبھی کوئی شخص کسی عورت سے تنہائی میں ملتا ہے تو ان کے ساتھ شیطان تیسرے فرد کی حیثیت سے شریک رہتا ہے۔ (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۶)

۳۔ کسی ذی محرم شخص کے بغیر عورت تنہا ایک دن اور رات کا سفر نہیں کر سکتی۔

لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر أن تسافر مسیرة یوم ولیلة لیس معھا حرمة۔

کسی ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دن اور رات کا سفر بغیر ذی محرم کے کرے۔ (بخاری ابواب التقصیر)

۴۔ عورت کے لئے بن ٹھن کر بازاروں میں نکلنا اور اپنے حسن وجمال کی نمائش کرنا سخت منع ہے جس کو قرآن "تبرج جاہلیت" کا نام دیتا ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ

اور اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو (سورہ احزاب : ۳۳)

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے بنت کسریٰ کو سربراہ مملکت بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا
لن یفلح قومٌ ولوا امرھم امراۃً۔
وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گی جس نے اپنے اجتماعی معاملے کو کسی عورت کے حوالے کر دیا ہو۔
(بخاری، کتاب المغازی)

اس میں اگرچہ کسی خاتون کو سربراہ مملکت بنانے کی صریح ممانعت نہیں ہے مگر یہ فعل اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ ضرور ہے کیونکہ اس میں قوم وملک کے زوال کی صاف پیشین گوئی ضرور ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قحط الرجال کی علامت ہے۔

۳۔ اسی طرح اسلامی قانون کی رو سے عورت قاضی یا مجسٹریٹ نہیں بن سکتی۔ (نیل الاوطار ۸/ ۲۴۰)
فقہا کے نزدیک اگرچہ یہ مسئلہ اختلافی ہے مگر اس کے نقصانات صاف ظاہر ہیں کہ عورت مطلوبہ شرائط پوری نہ کر سکنے کے باعث اس فریضہ کو صحیح طور پر ادا نہ کر سکے گی اور عملاً دیکھا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ اسلام میں شاید ہی کوئی عورت منصب قضاء پر فائز ہو سکی ہو۔

یہ دینی ودنیوی سیاست وقیادت کے تین اہم ترین شعبے ہیں جن میں عورت کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ ان رہنما خطوط کی روشنی میں صاف دکھائی دیتا ہے کہ عورت کو کسی ایسے شعبے کا انچارج یا کسی کمیشن کا سربراہ بنانا درست نہ ہو گا۔ جو اجتماعی نوعیت کا حامل ہو جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں ولوا امرھم امراۃ میں اَمْرَھُم کے الفاظ عام ہیں یعنی اپنے کسی بھی اجتماعی معاملے کو عورت کے سپرد کرنا صحیح نہ ہو گا۔ کیونکہ عورت طبعاً ناقص العقل ہوتی ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات معاملہ بگڑ سکتا ہے۔

نیز اس قسم کے اجتماعی معاملات میں خواتین کو دخل دینے سے روکنے کی دوسری وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ مناصب طبقہ نساء کے اصل دائرۂ کار سے باہر ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ خواتین پر جو اخلاقی وتمدنی پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ خود بھی انہیں اس قسم کے اجتماعی امور ومعاملات میں دخل دینے سے روکنے کے لئے کافی ہیں۔ اور ان حدود وضوابط کی وجہ سے وہ شرائط بھی پوری نہیں ہوتیں جو ان امور کو انجام دینے کے لئے ضروری ہیں۔ لہٰذا ان حدود وضوابط کو عائد کرنے کا منشا اسلام کی نظر میں شاید یہی ہے۔

یہ طبقہ خواتین کی توہین یا اہانت نہیں بلکہ دراصل ان پر ان کی قدرت وطاقت سے بڑھ کر ایک زائد بوجھ ڈالنا ہے۔ عورت دراصل ان کاموں کے لئے تخلیق نہیں کی گئی جیسا کہ خود ان کی ذہنی وجسمانی ساخت وپرداخت اس کی شہادت دے رہی ہے۔ بقول علامہ فرید وجدی اس سلسلے میں صنف نازک یا اس کے فرضی وکیلوں کو اگر کچھ شکوہ ہے تو یہ شکوہ مردوں سے نہیں بلکہ فطرت (اور خالق فطرت) سے کرنا چاہئے۔

کے پھیلنے کا موقع مل سکتا ہو۔ اس سلسلہ میں خود پیغمبر علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک واقعے سے کافی روشنی پڑتی ہے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسجد نبوی میں معتکف تھے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت صفیہؓ آپؐ سے ملنے کے لئے مسجد تشریف لائیں۔ واپسی میں آپ انہیں اُن کے مکان تک چھوڑنے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ غالباً رات کا وقت تھا۔ راستے میں دو شخصوں کا سامنا ہوا تو وہ آپ کو سلام کرکے تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ آپؐ نے انہیں آواز دے کر فرمایا "ٹھہر جاؤ اور دیکھو کہ یہ میری بیوی صفیہؓ ہیں"۔ انہوں نے کہا۔ "سبحان اللہ، یارسول اللہ!" ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم آپ کے بارے میں بھلا کیوں شک و شبہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دیکھو شیطان تو خون کی طرح آدمی کے بدن میں دوڑتا رہتا ہے۔ لہٰذا مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی خیال نہ گزرے"۔ (بخاری۔ ابواب الاعتکاف باب)

جب خود ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا یہ عالم ہو جن کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے تو پھر بھلا دوسروں کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔

بہرحال مرد کے لئے عورت کے فتنے سے بڑھ کر دوسرا کوئی فتنہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک علمی پیش گوئی کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

ما ترکت بعدی فی الناس فتنۃً اضر علی الرجال من النساء۔

میرے بعد لوگ جن فتنوں میں مبتلا ہوں گے ان میں مردوں پر سب سے زیادہ شدید فتنہ عورتوں کا ہو گا۔ (مسلم۔ ترمذی اور ابن ماجہ)

عورت اور تمدنی سرگرمیاں | یہ تھا صنف نازک پر چند اخلاقی اور معاشرتی پابندیوں کا تذکرہ۔ اب تمدنی و اجتماعی میدان کی طرف آیئے تو اس باب میں جیسا کہ اوپر گزر چکا دستوری قوانین نہ ہونے کے برابر دکھائی دیتے ہیں کیونکہ اجتماعی مسائل و معاملات کا دائرۂ کار مردوں ہی سے متعلق ہے۔ البتہ بعض شعبوں میں عورتوں کی شرکت یا ان کے داخلے کے جواز کے بجائے صراحتہً عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً

اسلامی قانون کی رو سے کوئی عورت نماز پڑھانے کے لئے مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔ مردوں کی امامت کا فریضہ صرف مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے۔ البتہ عورت بعض شرائط کے ساتھ مرد کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتی ہے جس کی تفصیل حدیث و فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

۲۔ اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کو کسی ملک کا سربراہ بنانا زوال و ادبار کی علامت ہو گا کیونکہ حضور

شرکت پر بڑی سخت پابندیاں عائد تھیں۔ (ابوداؤد)

۳۔ اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا جہاد ان کے حج کرنے کو قرار دیا ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ "تم عورتوں کا جہاد حج ہے"۔ (بخاری)

۴۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ "ہم جنگوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کرتے تھے مگر ساتھ عورتیں نہیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا ہم مردوں نے اپنے آپ کو خصی کر لینے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے ہمیں اس سے منع فرمایا"۔ (بخاری، مسند احمد)

عورت اور معاشی جدوجہد ان تمام معروضات کے ملاحظے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عورتوں کو عمومی حیثیت سے تمدنی ہنگامہ آرائیوں میں کودنے اور اجنبی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اسلامی ضوابط کی رو سے قطعاً اجازت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اقدامات مفسدِ تمدن و اجتماع ہوں گے۔ ہاں البتہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کسی کے شخصی و انفرادی حالات و مقتضیات کی رو سے اور مجبوری کی صورت میں عورت کسبِ معاش کر سکتی ہے مگر اس کے لئے اسلام کے ضابطۂ اخلاق کی مکمل پابندی ضروری ہوگی جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔

اسلام میں چونکہ عورت کی معاشی اور تمدنی جدوجہد کا براہِ راست کوئی حصہ نہیں ہے اس وجہ سے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ اس باب میں دستوری قوانین (یعنی قرآن وحدیث کے وہ واضح نصوص جن پر قانون کی بنیاد رکھی جا سکتی ہو) موجود نہیں ہیں۔ اور نہ حدیث و فقہ کی کتابوں میں ان کا مستقل حیثیت سے کوئی تذکرہ ملتا ہے جب کہ حدیث کی کتابوں میں سینکڑوں ہزاروں عناوین کے تحت دیگر قوانین و ضوابط کا مفصل تذکرہ موجود ہے ہاں البتہ ابوداؤد میں ایک باب ملتا ہے جس کا عنوان ہے "باب فی کسب الاماء" یعنی لونڈیوں کے کسبِ معاش کے بارے میں۔ اس باب میں لونڈیوں کو چرخہ کاتنے اور روئی، اون وغیرہ دوہنے وغیرہ کو جائز قرار دیا گیا تھا۔

ونھانا عن کسب الامۃِ الا ما عملت بیدھا۔ وقال ھکذا باصابعہ نحو الخبز والغزلِ والنّفس۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو لونڈی کی کمائی لینے سے منع فرمایا۔ سوائے اس کمائی کے جو وہ اپنا ہاتھ ہلا کر کرتی ہو۔ اور آپ نے انگلیوں سے اشارہ کیا جیسے روٹی پکانا، سوت کاتنا اور روئی دوہنا وغیرہ (مسند احمد اور ابوداؤد)

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں مدینے میں عورتوں میں چرخہ کاتنے کا رواج تھا۔

بھی کرے۔ یہ نہایت ہی عجیب اور غیر فطری واقعہ ہے۔ جو خود کردہ را چہ علاج کا مصداق ہوگا۔

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا. وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.

یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں۔ سو تم ان سے باہر مت نکلو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدود سے باہر نکل جاتے
ہیں تو ایسے ہی لوگ اپنے حق میں ظالم ہوں گے۔ (البقرہ ۲۲۹)

یہ تو یقینی امر ہے کہ عورت معاشی حیثیت سے لاکھ آزاد ہو جائے مگر وہ کسی بھی صورت میں مرد کی
حاکمیت سے باہر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دنیا کی قدیم ترین تاریخ سے
موجودہ دور تک کوئی
زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں عورتوں نے مردوں پر غلبہ پایا ہو۔ یہ اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ کارکنان
قدرت نے عورت کی پیشانی پر سرنوشت اطاعت لکھ دیا ہے۔ کیونکہ ورڈ آف گاڈ کبھی ورک آف گاڈ
سے مختلف نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے۔ الرجال قوامون علی النساء کا خدائی فیصلہ جو کبھی نہیں بدل سکتا۔ اور جو
بھی اس ابدی و سرمدی فیصلے کو بدلنے کی کوشش کرے گا اسے منہ کی کھانی پڑے گی۔

میں اپنے اس مقالے کو مولانا امین احسن اصلاحی کے اقتباس پر ختم کرتا ہوں۔

"ہمیں اس سے انکار نہیں کہ روٹی ہوٹلوں میں بھی کھائی جا سکتی ہے۔ راتیں کلبوں
اور سینما گھروں میں بھی گذاری جا سکتی ہیں۔ خبر گیری و تیمارداری ہسپتال اور نرسنگ
ہوم میں بھی مل جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی ممکن ہے کہ انعامات اور تمغوں کا لالچ دلا
کر (جیسا کہ روس میں کیا جاتا ہے) عورتوں سے بچے بھی جنوا کر سرکاری پرورش گاہوں میں
کرایہ کی نرسوں کے ذریعہ ان بچوں کی پرورش کرا لی جائے لیکن خوب یاد رکھئے کہ ہوٹل میں
جینے اور ہسپتال میں مرنے کی یہ زندگی نہ تو خاندان کی زندگی کا بدل ہو سکتی ہے اور نہ تنخواہ
اور الاؤنس کی خاطر جنے ہوئے بچوں اور سرکاری پرورش گاہوں میں کرائے پیا گائی نسلوں
سے کوئی قوم بن سکتی ہے آدمی سازی اور جوتا سازی کے کام میں زمین آسمان کا فرق ہے
آپ جس طرح انعامات اور اجرت کے بل پر کارخانوں میں جوتے تیار کرا سکتے ہیں اگر وہی
طریقہ آپ نے آدمی سازی کے لئے اختیار کیا تو آدمیوں کی شکل کی ایک مخلوق تو ضرور تیار
ہو جائے گی لیکن وہ آدمیت کے تمام اوصاف سے یکسر خالی ہوگی۔ جو آدمی باٹا کے
جوتوں کی طرح تیار کئے جائیں گے وہ پاؤں میں پامال کئے جانے کے لئے تو اچھے
رہیں گے لیکن زمین کی خلافت میں ان کا کوئی حصہ ہو، یہ ناممکن ہے۔"

"پاکستانی عورت دوراہے پر" ص۱۵۹، ۱۶۰)

قدیم و جدید تمام قوانین کا جائزہ لیجئے۔ عورت کے بارے میں آپ کو ان سے بہتر اور منصفانہ قوانین نہیں ملیں گے جو کسی معاشرے کی تعمیر کے لئے صالح بنیادوں کا درجہ رکھتے ہوں۔ ہر جگہ آپ کو اونچ نیچ اور افراط و تفریط نظر آئے گی جس کے نتیجے میں خاندانوں کی تباہی و بربادی اور خاندانی مسرتوں کا خاتمہ نظر آتا ہے اور انسانی ساختہ قوانین کا ہر جگہ یہی حال ہے۔

آج مغربی ممالک میں کثرت طلاق کی جو وبا پھوٹ پڑی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت معاشی حیثیت سے خود کفیل بن جانے کے بعد مرد کی دست نگر رہنا یا اس کی بالادستی کو قائم رکھنا پسند نہیں کرتی۔ بلکہ آزادانہ زندگی گزارنے کو ترجیح دیتی ہے۔ نتیجہ صاف ہے کہ خاندانی نظام ٹوٹ جاتا ہے۔ گھر جہنم زار بن جاتے ہیں اور بے شمار پیچیدہ اور لاعلاج معاشرتی مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عورت کی اس بے راہ روی پر خود دانشوران مغرب ماتم کر رہے ہیں۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ جسے اب واپس لانا مشکل دکھائی دیتا ہے۔

لہذا مشرقی ممالک کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ خواہ مخواہ اور بلا سوچے سمجھے محض ظاہری چمک دمک کی بنا پر مغرب کی نقالی کرنے کی کوشش نہ کریں۔ مشرقی ممالک میں حالات ابھی قابو سے باہر نہیں ہوئے۔ لہذا انہیں کوئی قدم اٹھانے سے پیشتر خوب اچھی طرح سوچ لینا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت اور مرد کے تعلقات کے سلسلے میں صحیح حدود و ضوابط رکھنا خاندان اور معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس باب میں ذرا سا بھی بے اعتدالی اور بے راہ روی کے باعث مسرت بخش زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور عائلی نظام کی بنیادیں ہل سکتی ہیں جو ابدی تمام مسرتوں کا مبدا و منبع ہے ظاہر ہے کہ ایک مضبوط معاشرے اور مضبوط ملک و قوم کی تاسیس کے لئے خاندانی و عائلی نظام کو مضبوط و مستحکم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ خاندان ہی کسی ملک و معاشرے کی بنیادی اینٹیں ہوتے ہیں۔ اگر وہ بکھر جائیں تو پھر پوری عمارت بھی تاش کے پتوں کی طرح بکھر سکتی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ عورت یوں بھی جسمانی اعتبار سے مرد سے کمزور ہوتی ہے مگر خصوصیت کے ساتھ حیض حمل اور بچے کی ولادت کے ایام میں اس کی کمزوری حد درجہ بڑھ جاتی ہے۔ ان اوقات میں اس کو آرام و راحت کی سخت ضرورت رہتی ہے۔ لہذا اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کے ذمہ وہی کام سپرد کئے جائیں جن کو خود اس کی فطرت نے مناسب سمجھا ہو۔ اس کے برعکس اگر مردوں کے کام بھی عورتوں کے سپرد کر دئے جائیں تو یہ اس جنس لطیف پر ایک زائد بوجھ بلکہ اس بیچاری سے اس کے گھریلو فرائض بھی ادا کرائے اور خود اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے بھی اسی کو مجبور کرے یعنی معاشی جدوجہد کا بار بوجھ بھی اس پر ڈال دے اور خود کاہل یا عیاش بن کر تماشا دیکھا کرے۔ پھر جب پانی سر سے اونچا ہو جائے تو اپنی بیوی کی بے وفائی کا شکوہ

اور شاید پارچہ بافی اور خیمہ دوزی کا بھی رواج رہا ہو۔ جو اس کا لازمہ ہے۔ بہرحال اس دور میں عورتیں اپنے گھروں میں اس قسم کے ہلکے پھلکے کام کر لیا کرتی تھیں۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اجازت دی۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین کو کسب معاش کی مطلق ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے گھریلو حالات اور تقاضوں کے مطابق فارغ اوقات میں کوئی بھی کام کر سکتی ہیں۔ جو ان کے مناسب حال ہو۔ خصوصاً دستکاریاں اور گھریلو صنعتیں وغیرہ۔

اور اس سلسلے میں خود دور رسالت میں ہمیں چند عملی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت حسب ضرورت معاشی جدوجہد کر سکتی ہے اور اپنے شوہر کا ہاتھ بٹا سکتی ہے۔

بخاری کتاب النکاح میں مذکور ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کا نکاح حضرت زبیرؓ بن العوام سے ہوا تو وہ اس موقع پر بہت تنگدست تھے اور ان کے پاس سوائے ایک اونٹ اور ایک گھوڑے کے کچھ نہ تھا۔ لہٰذا حضرت اسماءؓ کو گھریلو کام کاج کے ساتھ باہر کا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ وہ اونٹ اور گھوڑے کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور دو میل دور جا کر ایک مقام سے گٹھلیاں چن کر لاتیں اور موصوفہ یہ سارا کام رضاکارانہ طور پر اپنی خوشی سے انجام دیتی تھیں۔ یہ حالت ایک عرصہ تک برقرار رہی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک غلام ان کے سپرد کر دیا۔ پھر اس کے بعد انہیں اس مصیبت سے نجات مل گئی۔

اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی زوجہ محترمہ زینب بنت ابومعاویہؓ ایک دستکار خاتون تھیں جو دستکاری کر کے اپنے شوہر اور اولاد کی کفالت کرتی تھیں (سیر الصحابیات ص ۱۶۶)

اس طرح ذخیرۂ حدیث و سیرت کی چھان بین سے ہمیں اس سلسلے میں مزید واقعات بھی مل سکتے ہیں۔

اب رہا لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ تو یہ بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ لڑکوں کی تعلیم و تربیت۔ اگر عورتیں جاہل رہیں گی تو پھر ظاہر ہے کہ وہ اپنے نونہالوں کی صحیح تربیت نہیں کر سکیں گی۔ عورتوں کی دینی تعلیم بھی بہت ضروری ہے کیونکہ دین سے بیگانگی کی بدولت بدعات و خرافات رواج پاتے ہیں اور صحیح تعلیم کی بدولت عقائد و اعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض و واجبات کی ادائیگی کا بھی شعور پیدا ہوتا ہے لہٰذا لڑکیوں کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے اور ان کی اصلاح کے سلسلے میں جو تحریک بلند کی اس کا ایک بہترین نمونہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو ایک بہت بڑی عالمہ اور فقیہہ تھیں حتیٰ کہ بڑے بڑے صحابہؓ تک آپ سے احادیث اور مسائل دین دریافت کرتے تھے۔

حرف آخر | یہ ہے عورت کے بارے میں اسلام کا صحیح، متوازن اور حقیقت پسندانہ موقف۔ آپ دنیا کے

از مولانا وحید الدین خان

اِسلام کیا ہے!

آغازِ اسلام کے ۳۰۰ سو سال بعد دسویں صدی عیسوی میں یہ حال تھا کہ آباد دنیا کے بیشتر حصہ پر اسلامی حکومت اور اسلامی تہذیب قائم ہو چکی تھی۔ یہ ایک وسیع سلطنت تھی۔ جس کا مذہبی مرکز مکّہ اور ثقافتی و سیاسی مرکز بغداد تھا۔ مغرب میں یہ سلطنت پورے شمالی افریقہ اور بحر اوقیانوس کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے آگے پورا اسپین (سوائے استوریا کے) سسلی اور کریٹ کے جزائر بھی اس میں شامل تھے۔ قبرص تک اس کے اثرات پہنچ چکے تھے۔

اسی طرح جنوبی گلس کا شہر باری اسلامی حکومت کے ماتحت تھا اور بعض دوسرے مقامات (مثلاً مالقی اس کے دائرہ اقتدار میں سمجھے جاتے تھے۔ عرب کے شمال میں شام۔ آرمینیا اور مشرقی قفقاز اسلام کے مستقل مقبوضات تھے اور مشرق میں پورا عراق۔ ایران اور پورا افغانستان اس کی حدود میں شامل تھا۔ ان ملکوں کے شمال میں ماوراء النہر مغرب میں خوارزم کا علاقہ اور مغرب میں فرغان کی وادیاں اور پہاڑ بھی مملکت اسلامی کا حصہ تھے۔ مسلمان دریائے سندھ کو آٹھویں صدی عیسوی میں عبور کر چکے تھے اور اس کے تمام زیریں حصّے ان کے قبضے میں تھے۔

اسلام کی یہ فتوحات خدا کی خاص مدد کے ذریعہ حاصل ہوئیں۔ ان کے پیچھے خدا کی عظیم مصلحت شامل تھی۔ اور وہ تھی دنیائے شرک کا خاتمہ۔ اور قرآن کی حفاظت کا انتظام۔ یہ دونوں کام مکمل طور پر انجام پا گئے۔

تاہم یہی چیز بعد کے مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا فتنہ بن گئی۔ وہ اسلام کو ان کی سیاسی تاریخ کی روشنی میں دیکھنے لگے۔ حالاں کہ اسلام کو اس کی ابتدائی تعلیمات کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔

آج ایک مسلمان جب اسلام کے احیاء کی بات سوچتا ہے تو اس کے ذہنی سانچہ میں فوراً "تاریخ" کا احیاء آ جاتا ہے۔ وہ "فتوحات" "تاریخ زندہ کرنے کو اسلام کے زندہ کرنے کے ہم معنی سمجھ لیتا ہے جب کہ اسلام کو زندہ کرنا یہ ہے کہ ایسے افراد تیار کئے جائیں جو خدا کی عظمت و جلال کو محسوس کرنے والے اور اس سے ڈرنے والے ہوں جو دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملہ کریں تو یہ سمجھ کر کریں کہ خدا کے یہاں اس بارہ میں پوچھ گچھ ہوگی جو دنیا میں آخرت کی خاطر جئیں جو جہنم سے بچاؤ اور جنت میں داخلہ کو اپنا سب سے بڑا مسئلہ بنا لیں۔ اسلام آخرت کا عنوان ہے لیکن اگر ذہن صحیح نہ ہو تو وہ دنیا کا عنوان بن کر رہ جاتا ہے ؏

سے وہ مقاصد ہرگز حل نہیں ہوں گے۔ جن کی توقعات اسلامی نظام سے وابستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورے نظام سے لاعلمی کی بنا پر کبھی رجم کا انکار ہو رہا ہے کبھی کوڑوں کو فرسودہ اور غیر مہذب قرار دے کر اسلامی احکامات کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔

اسلامی قانون کا تدریجی ارتقاء | جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا گیا ہے کہ قانون کے مقاصد سے اہم ترین مقصد اصلاح معاشرہ ہے جس میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔ معاشرہ سے تعلق رکھنے والا ہر شخص امن و سکون سے زندگی بسر کرتا ہو۔ اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے شریعت اسلامی میں یہ پروگرام فرد سے شروع ہوتا ہے کیونکہ معاشرہ افراد ہی سے بنتا ہے۔ لہذا افراد کی اصلاح کے بعد معاشرہ میں ذہنی انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ افراد کی اصلاح کے بغیر اگر کسی انقلاب میں بظاہر مزور طاقت کامیاب ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ کامیابی دیرپا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ انفرادی قوت اور عوامی تائید کے بغیر انقلاب لانا تنزل کی طرف ایک قدم ہے جس کی ابتدا اور انتہا دونوں قریب ہوتی ہیں۔

اسلام کے ایک عالمگیر قانون اور ہمہ گیر مذہب ہونے کی وجہ سے یہ اصلاحی پروگرام اور تطہیر معاشرہ یا اصلاح معاشرہ فرد ہی سے شروع ہوتا ہے۔ فرد کی اصلاح کے لئے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد جن امور پر زور دیا جاتا ہے ان میں تین اہم امور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نماز۔ ۲۔ روزہ ۔۳۔ زکوٰۃ

ان تینوں کو مفسرین کی اصطلاح میں "امور مصلحہ للنفس" کہا جاتا ہے جن سے تہذیب الاخلاق میں ترقی کرنے کے بعد تدبیر منزل اور سیاست مدن کے لئے راہ ہموار ہوتی ہے۔

نماز کا معاشرہ پر اثر | ارشاد ربانی ہے:۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ۔ الآیۃ۔ اور نماز قائم رکھئے۔ بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے۔

مندرجہ بالا ترتیب میں اصلاح معاشرہ کے لئے قرآن حکیم نے ایک جامع نسخہ تجویز کیا جو اقامت الصلوٰۃ ہے۔ اور دوسرے اعمال و فرائض سے ممتاز کرنے کے لئے اس کی حکمت بھی بیان کر دی گئی۔ کہ نماز اہم عبادت اور عمود دین ہونے کے علاوہ اس کا اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ جو شخص باقاعدگی سے نماز کا اہتمام کرے تو یہ نماز اس کو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ معاشرہ کی خرابی کے اسباب، امن و انصاف اور اتفاق کا زہر قاتل فحشاء اور منکر ہی ہے۔ کرۂ ارض پر جتنے جھگڑے اور فسادات رونما ہوتے ہیں یہ تمام کے تمام فحشاء اور منکر ہی کے مرہون منت ہیں۔

از جناب حکیم محمد سعید صاحب ہمدرد کراچی

تین آیات کی سورت ۔۔یا۔۔ ایک جہانِ معانی

★ ۔۔۔۔۔ قرآن کا مرد مؤمن

"تاریخ گواہ ہے اور زمانہ شاہد کہ وہی قومیں دنیا میں سرخ رو ہوتی ہیں اور مصاف زندگی میں اپنی برتری کا ثبوت دیتی ہے جو یقین و ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتی ہیں۔ اور اپنے عقیدے کو دل و دماغ کی تمام قوتوں کے ساتھ صحیح جانتی اور مانتی ہیں۔ نہ صرف بلکہ وہ اس عقیدے اور یقین و ایمان کے مطابق عمل بھی کرتی ہیں۔ حالات کے تقاضے بظاہر کتنے ہی خلاف ہوں اور کتنے ہی موانع ان کی راہ میں آئیں لیکن وہ اپنے یقین میں پختہ ہوتی ہیں۔ اور ان کا عمل ان کے عقیدے سے ہم آہنگ ہی رہتا ہے۔ بعض اوقات بڑے بڑے مالی فوائد اور مادی منافعے ان کو للچاتے ہیں اور راہ کی دشواریاں ان کے قدم روکتی ہیں۔ لیکن یقین و ایمان کی دولت سے مالا مال قومیں جس راہ کو صحیح سمجھتی ہیں اس سے سر مو انحراف نہیں کرتیں۔ گرتی پڑتی وہ سیدھے راستے پر ہی چلتی رہتی ہیں۔ آبلہ پائی کے باوجود ان کے پاؤں نہیں لڑکھڑاتے اور ان کا عزم متزلزل نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ہو یا فرد فلاح و کامرانی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ ہے ایمان۔ عمل صالح، حق پر قائم رہنے اور صبر کے ساتھ قائم رہنے کا راستہ۔

قرآن حکیم کی سورت العصر ایک عجیب و غریب سورت ہے۔ صرف تین آیات کی۔ اس سورت میں ایک جہان معانی پوشیدہ ہے۔ اس پر جتنا غور کیا جائے معانی کے اتنے ہی پرت کھلتے جاتے ہیں۔ در حقیقت اس کی تشریح و تفسیر اور تفہیم کے لئے صفحات کے صفحات درکار ہیں۔ غور کرنے والوں کے لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہی ایک سورت کافی ہے۔ یہ وہ سورت ہے جسے تمام مسلمان اکثر نمازوں میں پڑھتے ہیں آپ بھی سنئے :۔

والعصر۔ ان الانسان لفی خسر۔ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

اس سورت کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

" زمانے کی قسم ہے، بلاشبہ انسان بڑے گھاٹے میں ہے۔ ہاں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کی۔"

دنیا کا کوئی بڑا کام یقین کے سہارے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ انسان کوئی قدم بھی اس وقت تک نہیں اٹھاتا جب تک اسے صحیح ہونے کا یقین نہ ہو۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک پر یقین ہو وہ مومن ہے

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے
"لباس التقویٰ ذٰلک خیر"
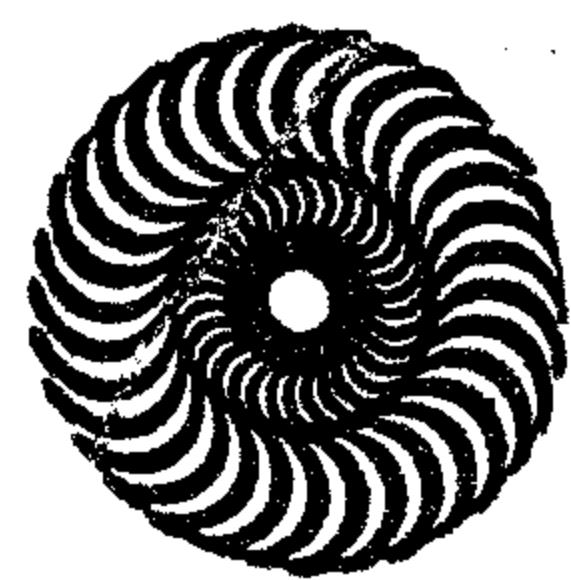
تو وہ اپنی دوسری خوبیوں کے باوجود لوگوں کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ مومن تو اس عالم ہست و بود کا
صدر نشین ہے۔ وہ دنیا کی ہر دولت کو قدموں میں روندتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس کو احساس ہوتا ہے کہ
اس کائنات میں ایک طاقت ایسی بھی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی۔ مگر کائنات کی کوئی چیز اس کی نظر سے
پوشیدہ نہیں ہے۔ یہی احساس و یقین اس کو صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ مرد مومن آخرت میں اپنے کو تمام
اعمال کا جواب دہ سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ طاقت رکھنے کے باوجود بھی کسی پر بے جا ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ اقتدار
رکھنے کے باوصف وہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا۔ وہ دوسروں کے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہے
جو اسے اپنے لئے پسند ہوتی ہے۔ وہ ظلم نہیں کرتا اور ظالم کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ حق پر یقین رکھتا ہے اور حق پر
قائم رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ مرد مومن حق کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرتا ہے۔ اور اپنے رفیقوں
کو بھی اس کی تلقین کرتا ہے۔ وہ خود نیک ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی نیکی کی طرف بلاتا ہے۔ وہ خود
بھلائی کرتا ہے اور بھلائی کی دعوت بھی دیتا ہے۔ مرد مومن خود کھاتا ہے تو دوسروں کو بھوکا نہیں دیکھ سکتا
وہ ایک شوہر ہوتا ہے۔ وہ ایک مشفق باپ اور ایک سعادت مند بیٹا ہوتا ہے وہ اپنا حق لینے سے
پہلے اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ وہ کسی سے کام لیتا ہے تو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری
کر دیتا ہے۔ وہ مزدور ہوتا ہے تو معاوضہ کے مطابق محنت کرتا ہے۔ وہ کام چور نہیں ہوتا وہ اپنی گفتار میں
اپنے کردار میں اللہ کی برہان ہوتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ یہ جہاں میرے لئے ہے۔ میں جہاں کے لئے نہیں
ہوں۔ مرد مومن دنیا کو ہیچ سمجھتا ہے۔ وہ دنیا کے لئے رحمت ہوتا ہے۔ وہ جب کوئی کام کرتا ہے تو سب
سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ اللہ کی رضا کیا ہے۔ اللہ کے رسول ؐ کی مرضی کیا ہے۔ مسلمانوں کی بھلائی کس میں ہے
ملت کا فائدہ کس کام میں ہے۔ انسانوں کے لئے بہتر راستہ کونسا ہے۔

مومن اللہ کا خلیفہ ہے۔ اس کا نائب ہے۔ وہ اپنے ہر فعل میں نیابت الٰہی کا حق ادا کرتا ہے۔ مرد
مومن کو جب حکومت ملتی ہے تو وہ فرعون نہیں بن جاتا۔ وہ خادم بن کر لوگوں کی خدمت کرتا ہے وہ جب
محکوم ہوتا ہے تب بھی اللہ ہی کی محکومی کو اولیت دیتا ہے۔ وہ لاٹھی ہو، رعایا ہو، حاکم ہو، محکوم ہو،
صاحب ثروت ہو۔ غریب ہو۔ معلم ہو متعلم ہو۔ تاجر ہو۔ خریدار ہو۔ ہر حال میں اور ہر حیثیت میں مومن
ہی رہتا ہے۔ مرد مومن۔

پاکستان کا خواب ایک مرد مومن نے دیکھا تھا۔ پاکستان کا قیام ایک مرد مومن کا مرہون منت ہے۔ اب
پاکستان کو ضرورت ہے ایسے مردان مومن کی جو اپنے فکر و عمل سے پاکستان کو سچا پاکستان بنا دیں۔ آئیے عہد
کریں کہ ہم جس حیثیت میں ہوں جس کام میں مصروف ہوں اور جس مرتبہ پر ہوں ہم اپنے عمل کو ایک مرد مومن کی
شان کے مطابق بنانے کی کوشش کریں گے۔ اور اخلاق و اخلاص کی ہر قوت سے پاکستان کی تعمیر کریں گے
اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اس عہد اور عزم میں کامیاب کرے ؂

جیسا کہ سورہ الحجرات کی پندرھویں آیت میں فرمایا گیا ہے۔

انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا

یعنی "مومن تو اصل میں وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہ پڑے" غور فرمائیے! تو قرآن نے " ایمان لائے " اور " پھر شک میں نہ پڑے " کے الفاظ کہہ کر اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ ایمان وایقان اتنا کامل ہونا چاہئے کہ اس میں کبھی شک کی دراڑ نہ پیدا ہو۔ اور شبہات کی ذرا سی رمق بھی مومن کے دل میں نہ داخل ہو۔ شک ایک ایسی دلدل ہے جس میں پھنس کر آدمی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ بے یقینی ایک ایسا اندھیرا ہے جس میں آدمی کو زندگی کی واضح حقیقتیں بھی نظر نہیں آتیں۔ اور وہ بینائی رکھتے ہوئے بھی مضبوط قدموں سے نہیں چل سکتا۔

ایمان کے بعد نیک اعمال کو بھی کامیابی کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ نیک اعمال کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح صحیح منزل کے لئے سیدھے راستے کی ہوتی ہے۔ منزل کا علم ہو مگر آدمی راستہ غلط اختیار کرے تو وہ کبھی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

اسی طرح عقیدہ صحیح ہو مگر اعمال غلط ہوں تو عقیدے کا فائدہ تمام حاصل نہ ہوگا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے ایمان کے ساتھ عمل کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ قرآن کی رو سے انسان کا کوئی عمل اس وقت تک صالح کی تعریف میں نہیں آتا جب تک وہ ایمان کے تابع نہ ہو۔ اسی لئے قرآن نے ہر جگہ عمل سے پہلے ایمان کا ذکر کیا ہے کسی ایک جگہ بھی قرآن نے ایمان کے بغیر عمل کو صالح نہیں کہا۔ مومن وہی ہے جو ایمان رکھتا ہو اور نیک کام کرتا ہو

سورہ العصر جو ابھی آپ نے سنی اس میں صالحات کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ لفظ تمام نیک اعمال اور تمام بھلائیوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ مرد مومن وہی ہے جو ایک طرف تو ایمان کی دولت سے مالا مال ہو اور دوسری طرف وہ بھلائی کا نمائندہ ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص مومن بھی ہو اور لوگوں کے لئے خیر وفلاح کا ذریعہ نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہے کہ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ و مامون رہیں۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی مامون نہ ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن سب کچھ ہو سکتا ہے مگر بزدل نہیں ہو سکتا۔ بزدلی کا مفہوم آپ سب جانتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ لفظ بہت وسیع معنی میں استعمال فرمایا گیا ہے۔ عام مفہوم کے علاوہ بزدلی کی تعریف اس شخص پر بھی منطبق ہوتی ہے جو کسی بات کو حق سمجھتا ہو مگر اس کو کسی مصلحت سے۔ کسی خوف سے کسی لالچ سے حق نہ کہے۔ یعنی کتمان حق کا مرتکب بھی بزدل ہوا۔ اسی طرح کسی ناحق بات کو کسی دباؤ میں آ کر حق کہہ دینا بھی بزدلی ہے۔ مومن بزدل کیسے ہو سکتا ہے۔ مومن کی تو شان ہی نرالی ہوتی ہے۔ ایک عام انسان بھی اگر بزدل ہو

مولانا غلام الرحمٰن صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ

اِسلام کا نظامِ قانون

قانون ایک لفظ ہے جو یونانی یا سریانی زبان سے عربی زبان کو منتقل ہوا۔ لغت میں قانون "مسطر" کو کہتے ہیں۔ بعد ازاں اس معنی میں وسعت پیدا ہوئی۔ اور اب اصول، قاعدہ، اور کلیہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسی وسعت کے پیش نظر لغت کی کتابوں میں اس کے معنی "قیاس کل شئی" یعنی ہر ایک چیز کے اندازہ کرنے کا آلہ ہے۔

فقہاء کرام کے ہاں لفظ قانون کی جگہ حکم شرعی۔ نص شرعی جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ ہمارے معاشرے میں لفظ قانون کا استعمال بکثرت ہے۔ زندگی کے کسی شعبہ سے تعلق رکھنے والے ضابطہ اور دفعہ کو قانون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور عرف عام میں قانون عدل۔ قانون صحت اور قانون ترسیل وغیرہ کے لئے یہی لفظ قانون مستعمل ہے۔ بلکہ قانون کا اطلاق رسم و رواج پر بھی ہوتا ہے۔

قانون کی اہمیت | حقیقت میں قانون ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس کے بغیر انسانی معاشرے کی تشکیل ناممکن ہے۔ کیونکہ انسان بتقاضائے فطرت ایک مدنی الطبع ہستی ہے جو علیحدگی پسند نہیں۔ انسان یار و اغیار کے درمیان رہ کر فائدہ اور استفادہ کا خواہاں ہے۔ لیکن دوسری طرف فطرت میں حرص و لالچ کی بیماری کی موجودگی سے ہمیشہ "ہل من مزید" کا شکار رہتا ہے جس میں یقیناً کمی اور زیادتی۔ ظلم و تجاوز اور حقوق کی پامالی ہوتی ہے جس سے اختلافات جنم لیتے ہیں۔ اور زندگی بجائے رحمت کے زحمت بن جاتی ہے۔ صرف قانون ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی یاس کو آس سے اور ناامیدی کو امید سے بدل دیتا ہے۔ کیونکہ افتراق کی جگہ قانون سے معاشرہ میں اجتماعی شیرازہ بندی ہوتی ہے ظلم و ستم کی روک تھام ہوتی ہے۔ ہر ایک کی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔

قانون کی اس اہمیت کو اگر ہم یوں بیان کریں کہ:-

"حیات مستعار کی یہ کشتی جس میں النفس ناطقہ کی مختلف الخیال سواریاں شریک ہیں۔ قانون اس کشتی کے لئے ملاح کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ ملاح ہی کی دور اندیشی۔ قابلیت، حوصلے اور تدبر سے یقیناً کشتی پار ہوگی ورنہ بصورت دیگر کشتی کو ظلمات بحر میں امواج کے حوالہ کرنا ہوگا۔ تو یہ بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔"

پوری طرح مناسبت رکھتا ہو۔ ہزار بار کوشش کرنے کے باوجود یقیناً ناکامی ہوگی۔ جس کا مظاہرہ عام ملکی قوانین میں ہوتا رہتا ہے۔ کہ حالات سے ناسازگاری اور وقت کی تبدیلی سے قانون ہمیشہ ایک کھلونا بن جاتا ہے ترامیم اور اضافے کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ جس کا اصل حلیہ بگڑ کر محض نام ہی رہ جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں دوسری قسم کا قانون جس مقنن کا قانون ہے اس مقنن میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک مقنن کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ وسعت علمی، قدرت کاملہ، تصرف عامہ اور لا یسئل عما یفعل جس مقنن کا خاصہ ہو اس کے قانون میں وہ تمام خوبیاں موجود ہوں گی جو ایک قانون کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ وسعت علمی کی وجہ سے حال اور مستقبل کے واقعات کو مدنظر رکھ کر قانون بنایا ہوگا۔ قدرت کاملہ اور تصرف عامہ کے طفیل خواہشات اور نفسانیت کا شکار بھی نہیں ہوگا۔ یہی وہ تمام خوبیاں ہیں جس سے ازلی اور ابدی قانون "اسلامی قانون" مزین ہے جو چودہ سو سال کی عظیم مسافت طے کرنے کے باوجود واقعات و حالات کی تغیر اور تبدیل کے ہوتے ہوئے آج بھی جوں کا توں انسانی زندگی کی مکمل حفاظت کا دعویدار ہے امن کی زندگی (PEACEFUL-LIFE) کی ضمانت دیتا ہے۔

امن و سکون، عدل و انصاف کے قیام کا علمبردار ہے۔

قانون اسلامی کا مجموعی مزاج:۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قانون اسلامی چند تعبیرات کا نام ہے یا چند دفعات کے رسمی اعلان کا نام ہے۔ بلکہ اسلامی قانون ایک "مجموعی مزاج" کا نام ہے۔ جو تمام شعبہ ہائے زندگی پر حاوی اور مشتمل ہے۔ اور ناقابل تقسیم ہے۔

زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر شعبہ میں اسلامی اقدار کو پیدا کرنا اسلامی قانون کا تقاضا ہے۔ فردی زندگی سے لے کر معاشرہ تک۔ دکان سے لے کر کارخانہ تک۔ دفتر سے لے کر بنگلہ تک ہر ایک جگہ میں اسلامی مزاج کو اپنانا اس قانون کا مطالبہ ہے۔

الغرض صنعت و حرفت، تعلیم و سائنس، اقتصادیات و معاملات۔ فوج اور پولیس ہر ایک محکمہ کو اسلامی ڈھانچے میں ڈالنا اور اسلام کے مطابق چلانا اس نظام کا دوسرا نام ہے۔ اس نظام کے ناقابل تقسیم ہونے کے باوجود اس کو تقسیم کرنا نفع رسانی کی بجائے ایذا رسانی ہے۔ جس سے اسلامی قانون کی تحقیر اور توہین ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک انسان کے اعضاء میں سے کسی عضو کو دوسرے حیوان میں لگانے سے وہ حیوان انسان نہیں بن جاتا اور نہ یہ عضو دوسرے حیوان میں وہ کام کر سکتا ہے جو انسان کے جسم میں کر رہا تھا۔ بلکہ دوسرے حیوان میں انسانی اعضاء لگانا یقیناً عظمت انسانیت کو خاک میں ملانا ہے۔

ایسا ہی اسلامی نظام سے کسی ایک شعبہ کو الگ کر کے دوسرے نظاموں اور قوانین کے ساتھ جوڑنے

قانون کے اغراض و مقاصد | چونکہ قانون کا بنیادی مقصد معاشرہ کی تطہیر اور معاشرہ میں رہنے والے ہر فرد کو اطمینان دلانا ہوتا ہے۔ معاشرہ میں رنگ و نسل کا امتیاز کئے بغیر، حسب و نسب اور مذہب سے قطع نظر ہر ایک نفسِ ناطقہ کے بنیادی حقوق کی حفاظت کرنا قانون کا اولین فریضہ ہے۔ اجمالاً ملحوظ رہے کہ قانون کے بڑے مقاصد چار ہیں۔

(۱) قانون کے ذریعہ معاشرہ میں امن قائم ہو یعنی قانون قیامِ امن کا کفیل اور ضامن ہو۔

(۲) اس کے داخلی اور خارجی آزادی کا تحفظ ہو۔

(۳) اقتصادی بہبودی کا خیال بھی رکھا جاتا ہو جس کی وجہ سے معاشرہ میں مساوات قائم ہو۔ کوئی شخص کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔

(۴) اور آخری اہم مقصد قانون کا یہ ہے کہ فطرتِ انسانی کا پورا پورا خیال ہو یعنی انسان کی حریت اور آزادی کی ضمانت قانون میں موجود ہونا ضروری ہے۔

قانون کی کامیابی کا راز | اقسامِ قانون بیان کرنے سے قبل یہ یقین کرلینا ضروری ہے کہ قانون کی کامیابی اور ناکامی کا دارو مدار عوام اور خواص کی ان توقعات سے وابستہ ہیں جس قدر قانون میں انسانی زندگی کی مکمل حفاظت، امن و سکون کا پیغام ہوگا۔ اتنا ہی قانون کامیاب رہے گا۔ خواہ یہ قانون کسی شخص کا بنایا ہوا ہو یا کسی منتخب یا غیر منتخب پارلیمنٹ کا پاس کردہ ہو۔

اقسامِ قانون | انسان کا واسطہ عموماً دو قسم کے قوانین سے پڑتا ہے۔

اول وہ قانون ہے جس کا مقنن اور مرتب کوئی شخص، کوئی ادارہ یا کوئی پارلیمنٹ ہو۔
دوسرا وہ قانون ہے جس کی تخلیق انسانی دائرہ کار سے باہر اور کوئی غیبی طاقت اور ہستی اس قانون کا مقنن ہو۔
اول الذکر قانون مقنن یا مقننین کے ذہن اور افکار کی عکاسی کرتا ہے۔ جس میں مقنن خود اپنے نظریہ میں ارد گرد کے حالات اور واقعات کو ملحوظ رکھ کر قانون بناتا ہے۔ جس میں اپنی قابلیت اور دور اندیشی سے حتی الامکان مدد لے کر یہ کوشش کرتا ہے کہ یہ قانون معاشرہ کے لئے سود مند اور فائدہ مند ہو۔ اگر یہ مقنن خود قانون کی وسعت اور ہمہ گیری کے لئے کوشش کرتا ہے۔ لیکن اپنی فطری محدودیتوں کے ہوتے ہوئے ایک انسان کبھی اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ کہ ایک مسئلہ کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کر سکے۔

حال اور مستقبل کے واقعات کو ایک نظر سے دیکھ سکے۔ بالقوۃ اور بالفعل۔ ظاہراً اور باطناً ہر ایک حالت کی پوری رعایت کر سکتا ہو۔ اور پھر ساتھ ساتھ قدم بقدم جذبات اور طبعی رجحانات عقل کی کمزوری اور علمی پارسائیوں سے یکسر پاک ہو کر کوئی ایسا قانون وضع کرے جو ہر جگہ، ہر زمانے اور ہر حالت سے

فحشار کی حقیقت: کیونکہ فحشار ہر ایسے برُے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی اور قباحت عقلی اور واضح ہو۔ کسی پر مخفی نہ ہو۔ یہاں تک کہ ہر صاحب عقل بلا امتیاز مذہب و عقیدہ، مومن ہو یا کافر ہو اس کو برا سمجھے۔ اور اس کی قباحت کا قائل ہو جیسا کہ زنا کاری۔ قتل ناحق۔ چوری۔ ڈاکہ زنی وغیرہ پر تمام امور ایسے ہیں جسے کوئی بھی صاحب عقل اچھے کاموں سے تعبیر نہیں کر سکتا۔

منکر کی حقیقت: اور منکر ہر اس قول اور فعل کو کہا جاتا ہے جس کی حرمت اور عدم جواز پر اہل شرع کا اتفاق ہو۔

فحشار اور منکر کے ان دونوں لفظوں پر غور کرنے کے بعد انسان آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ دنیا کے تمام جرائم ظاہری اور باطنی مائم کو یہ الفاظ شامل ہیں۔ جو خود بھی فساد ہی فساد ہیں۔ اور دیگر اعمال صالحہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ باقاعدگی سے نماز پڑھنے سے حسب اعلان باری تعالیٰ فحشا اور منکر کا خاتمہ ہو تا ہے اور حدیث مبارک میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے۔

من لم تنهه صلوٰته عن الفحشاء والمنکر فلا صلاۃ لہ۔ جس کی نماز نے اس کو برائی اور بے حیائی سے نہ روکا تو اس کی نماز ہی نہیں

نماز پڑھنے سے نمازی کے دل و دماغ میں اپنی عبدیت اور محکومیت کا تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اعلیٰ ہستی کی حاکمیت اور معبودیت لازم ہے۔ انسان نماز پڑھنے سے ایک بڑی طاقت کا اٹھنے بیٹھنے اور جھکنے میں "اللہ اکبر" سے اس کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کرتا ہے۔ اور "ایاک نعبد وایاک نستعین" میں اپنی وفاداری اور پابند رہنے کا عہد کر لیتا ہے۔ "اہدنا الصراط المستقیم" سے خدائی قانون کے سامنے سر تسلیم خم کر کے تادم حیات پابند رہنے کا اقرار کر لیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان مراحل کے طے کرنے کے بعد زندگی میں ایک عظیم انقلاب آئے گا۔ پھر ایک دو دفعہ اعلان نہیں بلکہ روزانہ پانچ دفعہ حاضر ہو کر نماز کی ہر ایک رکعت میں اس عمل کو جاری رکھنے سے نفس اور طبیعت میں انقلاب آکر فحشا۔ اور منکرات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جس سے امن و انصاف کا معاشرہ تشکیل پائے گا (باقی)

مولانا حبیب الرحمن لیکچرار اسلامیات
پشاور یونیورسٹی

ھدایہ ــــ اور ــــ صاحب ہدایہ

چھٹی صدی ہجری میں جو مسلمان مشاہیر علم وفضل، زہد وتقویٰ اور اپنی علمی استعداد وخداداد تبحر کی وجہ سے نہایت درجہ بلند مقام پر فائز ہوئے۔ ان مسلّم شخصیات میں شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی کا اسم گرامی بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ جو کہ ہماری درسی وعلمی دنیا میں "صاحب ہدایہ" کے ہلکے پھلکے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

آپ ریاست فرغانہ[1] کے شہر مرغینان[2] میں (جو دریائے سیحون کے جنوب واقع ہے) ۸ رجب بروز پیر (عصر کے بعد) ۵۱۱ھ میں منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے[3]۔

مختلف علوم وفنون میں جامعیت اور مہارت موصوف کے بیش بہا اوصاف میں سے ہے۔ اور خصوصاً علم فقہ حنفی کے بہترین ترجمان اور بلند پایہ شارح کی حیثیت سے آپ کی ذات ستودہ صفات کا مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف ان کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ بلکہ خود آپ کی اس لازوال شرف عظمت اور ٹھوس علمیت کے صحیح اور واضح خدوخال اور اسرار کو پانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

یادداشت، دقیقہ سنجی، ذکاوت و فطانت، فصاحت وبلاغت۔ فہم وبصیرت اور تحقیق و تدقیق میں صاحب ہدایہ کا مقام منفرد ہے۔ ان جیسی شخصیت خال خال ہی ملتی ہے۔ کہ جن کے علمی شہ پاروں کو درسی و غیر درسی دنیا میں شہرت اور لاثانی مقام حاصل ہو۔

معرفت مذہب اور علم خلاف میں کمال دستگاہ حاصل تھی۔

تحقیق و تدقیق مصنف کا خاص طرہ امتیاز تھی۔ چھٹی صدی ہجری میں علوم وفنون کو نابانی اور جلا بخشنے کا

---

[1] فرغانہ بفتح الفاء وراء الشاسس وراء جیحون وسیحون وایضاً قریۃ من قری فارس الجواہر والمضیئۃ فی طبقات الحنفیہ ۳۸۳/۱

[2] مرغینان بفتح مدینۃ من بلاد فرغانۃ الجواہر والمضیئۃ فی طبقات الحنفیہ ۳۸۳/۱ [3] مقدمۃ الہدایہ (مولانا عبدالحی صاحب)

ذریعہ آپ ہی تھے۔ فقہ حنفی کے ساتھ صرف لگاؤ ہی نہیں بلکہ والہانہ شغف بھی تھا۔

آپ نے علم فقہ میں تکمیل مقام تک پہنچنے کے لئے اپنے دور کے مشہور ائمہ کی طرف رجوع فرمایا جس میں نجم الدین ابوحفص عمر نسفی، صدرالشہید حسام الدین۔ صدرالشہید تاج الدین۔ ضیاء الدین محمد بن حسین بندیجی اور شیخ بہاء الدین شامل ہیں۔

علامہ مرغینانی ایک بلندپایہ فقیہہ تھے۔ ان کے معاصرین قاضی خان (م ۵۹۲ھ) اور محمود بن احمد مؤلف (محیط برہانی) ان کے فضل وکمال کے معترف تھے[1]

صاحب ہدایہ نے ۵۴۴ھ میں حج ادا کیا۔ اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے مختصر القدوری اور جامع الصغیر کی طرز پر ایک متن (ہدایۃ المبتدی) تیار کیا۔ پھر اس متن کی اسّی جلدوں میں کفایۃ المنتہی[2] کے نام سے ایک مبسوط شرح تحریر فرمائی۔ اور جب خیال ہوا کہ آنے والی نسل کے لئے اس سے پورا استفادہ مشکل ہے تو اس کفایۃ کا اختصار فرماتے ہوئے "الہدایہ" تصنیف فرمایا۔ جو کہ اصحاب فقہ حنفی کا ایک معتمد ذخیرہ مسائل ہیں۔ اس میں عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ روایات مختلفہ میں ترجیح کو بھی واضح فرمایا۔

آپ[3] نے ذیقعدہ کے مہینہ ۵۷۳ھ میں بدھ کے دن بعد ظہر اس عظیم اور مبارک کتاب کی تصنیف شروع کی۔ اور مسلسل تیرہ برس تک خاموشی سے تصنیف فرماتے رہے۔ مشہور ہے کہ اس مدت تک آپ روزانہ روزہ سے رہے۔ اور اپنے اس روزہ کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ کھانے کے وقت خادم کھانا رکھ کر چلا جاتا۔ اس کے چلے جانے کے بعد آپ کسی فقیر یا محتاج کو بلا کر وہ کھانا عنایت فرما دیتے۔ اور اپنے کام میں مصروف رہتے جب خادم واپس آتا تو برتن خالی پاکر یہ خیال کرتا کہ کھانے سے فارغ ہو چکے ہیں۔

اسی اخلاص کی برکت ہے کہ فقہ میں ہدایہ کا جو درجہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ صاحب ہدایہ کے پسر جناب عماد الدین ہدایہ کے متعلق فرماتے ہیں:[4]

کتاب الہدایۃ یہدی الہدی   الی حافظیہ ویجلو العمی
فلازمہ واحفظہ یا ذا الحجی   فمن نالہ نال اقصی المنی

"کتاب ہدایہ" اس کے یاد کرنے والوں کو راستہ دکھاتی ہے۔ اور اندھے پن کو بصیرت میں بدلتی ہے۔ پس

---

[1] تذکرہ مصنفین درس نظامی (پروفیسر انتر راہی) ص ۴، [2] علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہ شرح اب ناپید ہے۔
[3] مقدمۃ الہدایہ (مولانا عبدالحی صاحب [4] ایضاً

اے عقل مندا سے مضبوطی سے پکڑ اور یاد کر۔ اس لئے کہ جس نے اسے پالیا گویا اس کی سب سے بڑی تمنا پوری ہو گئی۔

صاحب کشف الظنون نے ہدایہ کی مدح میں جو شعر نقل کئے ہیں وہ تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں[1]۔

ان الهداية كالقرآن قد نسخت ما صنّفوا قبلها في الشرع من كتب

فاحفظ قواعدها واسلك مسالكها يسلم مقالك من زيغ ومن كذب

ہدایہ کی مثال قرآن کی سی ہے۔ جس نے شریعت کی سابقہ کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ پس اس کے قواعد کو یاد کر اور اس کے بتلائے ہوئے راستے پر چل۔ اس طرح تیرا کلام کجی اور جھوٹ سے مامون ہو جائے گا۔

ابن کمال پاشا نے آپ کو اصحاب ترجیح میں شمار کیا ہے۔ لیکن دوسرے علماء آپ کو مجتہد فی المذہب کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں[2]

آپ کی یہ مشہور تصنیف "ہدایہ" اگرچہ چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ لیکن اس کے باوجود نہایت ہی ٹھوس اور جامع متن کی طرح اس کی ایک ایک سطر اور ایک ایک جملہ بڑی ہی وضاحت اور تفصیل کا محتاج ہے[3]۔

اور ظاہر ہے کہ جو کتاب اسّی جلدوں کا لب لباب اور نچوڑ ہو اس کی یہی شان ہونی چاہیئے۔

(حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے اگر کوئی شخص مجھ سے فتح القدیر جیسی عظیم کتاب لکھنے کے لئے کہے تو مجھے امید ہے کہ ایسی کتاب لکھ سکوں گا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ہدایہ کی چند سطور کے مانند کچھ لکھ دو تو اس سے عاجز ہوں)

درحقیقت صاحب ہدایہ جو عبارات لاتے ہیں اگر کوئی اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں ادا کرے، بایں صورت کہ فصاحت و بلاغت جوں کی توں رہے تو شاید یہ بات بہت مشکل رہے۔

ان کے ہر کلمہ اور ہر لفظ سے فصاحت و بلاغت ٹپکتی ہے۔ اور ان کی عبارت میں ایک خاص قسم کی چاشنی ہوتی ہے۔ جو اہل علم حضرات پر مخفی نہیں۔ مشت نمونہ خروار کے طور پر ایک جملہ نقل کئے دیتا ہوں۔ صاحب ہدایہ باب زکوٰۃ الزروع والثمار میں فرماتے ہیں۔

---

[1] کشف الظنون جلد ثانی صد ۲۰۳۲ [2] الفوائد البهية في تراجم الحنفية (مولانا عبدالحی صاحب) صد ۱۴۱ [3] صاحب کشف الظنون ہدایہ کی عظمت شان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وهي وان كانت شرحاً للبداية الا ان فيه غوامض اسرار محتجبة وراء الاستار لا يكشف عنها من محاديد العلماء الا من اوتي كمال التيقظ في التحقيق

صفحہ ۲۰۳۱ جلد ۲ کشف الظنون

طبع ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔

اس سفر میں مولانا عبدالقیوم حقانی اور راحقر شفیق فاروقی بھی آپ کے ہمراہ رہے۔ قیام لاہور کے اسی عرصہ میں آپ نے تحریک ختم نبوت کی اہم دستاویز "قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف بھی شائع کرائی۔

عطیہ کتب | جناب مولانا عبدالجلیل صاحب، سکنہ منتھیال ضلع مانسہرہ جو فاضل دیوبند ہیں اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ میں بھی ہیں۔ نے اپنی علالت اور ضعف کی وجہ سے اپنی ذاتی کتابوں کا وقیع ذخیرہ دارالعلوم کو وقف فرمایا۔ جو تقریباً ڈیڑھ سو ضخیم اور اہم کتابوں پر مشتمل ہے۔ موصوف نے یہ عطیہ اپنے گاؤں میں مولانا اعجاز حسین ناظم کتب خانہ دارالعلوم کے سپرد کیا۔

فاضل حقانیہ وفاق المدارس میں اول آئے | وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت ۵۲ جامعات کے ۹۸۹ طلبہ دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان ۱۴۰۴ھ کے نتائج کا اعلان ہوگیا۔ دارالعلوم حقانیہ کے مولوی نور محمد ثاقب رول نمبر ۴۰۵ نے پورے وفاق المدارس میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اور مجموعی طور پر دارالعلوم کے تمام طلباء کا نتیجہ بہتر رہا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے طلباء کی محنت کو سراہا اور تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب میں مولوی نور محمد صاحب افغانی کو اہم دینی کتب کا ایک سیٹ بطور انعام عطا فرمایا۔ ——————

بقیہ سرسید از صہ ۱۴

مولانا حالی نے حیات جاوید میں "سرسید کی بے تعصبی" کے عنوان سے ان حوالوں کو پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ ساری عمر ان آراء پر کاربند رہے۔ مگر ایک مخصوص طبقہ فکر نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ گویا وہ ان خیالات سے رجوع کر چکے تھے۔ حالاں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ خیالات سرسید کی وفات سے صرف بارہ تیرہ سال قبل ۱۸۸۴ء کے ہیں۔

بابائے اردو نے بھی قارئین کو یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ ان حوالوں کو پیش کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں (دیکھئے سرسید احمد خان صہ ۶۳) لیکن جب ہندوؤں کی طرف سے سرکاری دفتروں اور مدارس سے اردو خارج کرنے کی تحریک ہوئی تو سرسید کے دل کو بڑی ٹھیس لگی اور بہت صدمہ ہوا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں۔

> "سرسید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔"

اس بیان میں بابائے اردو نے صریح غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ مذکورہ بالا حوالہ ۱۸۶۷ء کا ہے ۱۸۸۴ء یا اس کے بعد کا نہیں (دیکھئے حیات جاوید حصہ اول صہ ۱۴۰) اگر وہ اس کے بعد کا سرسید کا کوئی بیان پیش کرتے تو بات بن سکتی تھی۔ اس قسم کی تحریروں سے نئی نسل کو گمراہ کیا جا رہا ہے ۞

میں تلخیص کی ہے۔

۷۔ کفایہ۔ محمود بن عبید اللہ بن محمود تاج الشریعت۔ اس کی احادیث کی تخریج۔ مولانا محی الدین عبد القادر قرشی (م ۷۷۵ھ) نے کی ہے۔

۸۔ نہایہ۔ قاضی بدر الدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ)

۹۔ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ۔ جمال الدین یوسف زیلعی (م ۷۶۲ھ) نے احادیث ہدایہ کی تخریج کی ہے۔[1]

آپ نے بہت سی کتب تصانیف کیں جن میں سے ہدایہ کتاب نشر المذہب۔ کتاب المنتقیٰ۔ کتاب الفرائض۔ کتاب مناسک الحج بدایۃ المبتدی۔ کفایۃ المنتہی۔ مختارات النوازل۔ کتاب التجنیس والمزید۔ مختار الفتاویٰ مشہور و معروف ہیں۔" صاحب ہدایہ" بہترین شاعر بھی تھے۔ مولانا عبد الحیٰ نے فوائد بہیہ میں ان کے دو شعر نقل کئے ہیں۔ اشعار یہ ہیں:۔

فساد کبیر عالم متہتك — واکبر منه جاهل متنسك

هما فتنة فی العالمین عظیمة — لمن بهما فی دینه یتمسك[2]

دین کے معاملے میں غیر سنجیدہ (بے عمل) عالم کا وجود بہت بڑا فساد ہے۔ اور اس سے بھی بڑا فساد جاہل عبادت گزار ہے دنیا میں یہ دونوں اس شخص کے لئے بہت بڑا فتنہ ہیں جو دین کے معاملے میں ان کی پیروی کرتا ہے۔

آپ کی وفات ۱۴ ذی الحجہ ۵۹۳ھ سمرقند میں ہوئی اور وہیں دفن کئے گئے۔ آپ کی تاریخ" مجتہد مسائل" سے نکلتی ہے۔ سمرقند میں ایک مقبرہ ہے جسے مقبرہ محمدین کہا جاتا ہے جس میں تقریباً چار صد علماء و فضلاء کو دفنایا گیا ہے۔ ان میں ہر عالم، فاضل کا نام محمد تھا (اسی لئے محمدین کہا جاتا ہے) جب صاحب ہدایہ نے وفات پائی تو لوگوں نے اس مقبرہ میں دفنانے سے منع کیا۔ چنانچہ اس کے قریب دفنائے گئے[3] صاحب ہدایہ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی کتاب طلبا کو شروع کراتے تو اس کی ابتداء بدھ کے دن سے کرتے اور دلیل میں یہ حدیث لاتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ما من شیئ بدا یوم الاربعاء الا وقد تم۔ جو چیز بدھ کے دن سے شروع کی جائے وہ ضرور اختتام پذیر ہو گی (یعنی ادھوری نہیں رہے گی)[4]

ہدایہ میں کتاب المیراث نہیں ہے اگر قدوری کی طرح ہدایہ میں بھی کتاب المیراث ہوتی تو یہ ان کی عظیم علمی خدمت ہوتی۔ امت مسلمہ صاحب ہدایہ کی ان علمی کاوشوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کرے تو پھر بھی مجبوراً یہی کہے گی کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

ولو ان لی فی کل منبت شعرة — لسانا لما استوفیت واجب حمده

---

[1] تذکرۂ مصنفین درس نظامی (پروفیسر اختر راہی ص ۶۵) [2] فوائد بہیہ ص ۱۴۲ [3] مقدمۃ الہدایہ مولانا عبد الحی [4] الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ ص ۳۸۴۔ اس حدیث کے متعلق مکمل تحقیق اور خلاف میں بیان ہوئی۔ حدیث کے درمیان تطبیق کے لئے مولانا عبد الحی کی کتاب "نادر بہیہ" کا صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اما الحطب والقصب والحشيش لا تستنبت فی الجنان عادةً بل تنقی منها حتى لو اتخذها مقصبةً او مشجرةً او منبتاً للحشيش يجب فيها العشر۔

اس عبارت میں فاضل مصنف یہ کہہ سکتے تھے کہ منبتاً للقصب والشجرة والحشیش لیکن مرغینانی نے قصب اور شجرہ کی جگہ مقبصةً او مشجرةً الفاظ لائے۔ وہ اس لئے کہ قصب اور شجرہ کے لئے (مفعلة[1]) کے وزن پر صیغہ بن سکتا تھا۔ لہذا ان کے لئے یہ صیغ لائے اور چونکہ حشیش کے لئے مفعلہ وزن والا صیغہ نہیں بن سکتا تھا اس لئے اس کے لئے او منبتاً للحشیش الفاظ لائے۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ مقدمہ نصب الرایہ میں ہدایہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں مذاہب اربعہ میں کسی فقہی کتاب کی اتنی خدمت نہیں کی گئی جتنی کہ ہدایہ کی۔ اور کسی فقہی کتاب کی شرح لکھنے پر فقہاء، محدثین اپنے دور کے ممتاز ترین علماء اور چیدہ برگزیدہ اکابر شامل ہیں۔ مثلاً حافظ بدر الدین عینی (م ۸۵۵ھ) قوام الدین محمد بن بخاری (م ۷۴۹ھ) شیخ ابن الہمام (م ۸۶۱ھ) مولانا محی الدین عبدالقادر قرشی (م ۷۷۵ھ) وغیرہم مشائخ فقہا اور علماء کرام ہر زمانہ میں ہدایہ کی شروح وحواشی کی طرف متوجہ رہے۔ فقہ میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب بلند پایہ ہو کہ اس قدر کثیر تعداد میں اس کے شروح وحواشی تالیف کئے گئے ہیں۔

صاحب کشف الظنون نے ساٹھ سے زیادہ حواشی وشروح اور احادیث کی تخریجات شمار کی ہیں۔

ہدایہ کی اہم شروح مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ الفوائد۔ حمید الدین علی (م ۶۶۷ھ)

۲۔ نہایہ۔ حسام الدین حسن (م ۷۱۰ھ)

۳۔ معراج الدرایہ الی شرح الہدایہ۔ قوام الدین محمد بن محمد بخاری (م ۷۴۹ھ)

۴۔ نہایة الکفایة فی درایة الہدایة۔ امام تاج الدین عمر بن صدر الشریعت عبید اللہ محبوبی۔

۵۔ غایة البیان۔ قوام الدین امیر کاتب (م ۷۵۸ھ)

۶۔ فتح القدیر۔ شیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن الہمام (م ۸۶۱ھ) مقبول ومتداول شرح ہے۔

فتح القدیر پر ملا علی قاری نے دو جلدوں میں حاشیہ لکھا۔ اور علامہ ابراہیم (م ۹۵۶ھ) نے اس کی ایک جلد

---

[1] مفعلة وزن والا صیغہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں اس وزن کا مادہ کثرت سے پایا جاتا ہو۔ مثلاً (مَأسَدَةٌ) اس جنگل کے لئے بولا جاتا ہے جہاں (اسد) شیر بکثرت ہوں۔ اسی سے لفظ مقالہ نکلا ہے اور مقامات جو درس نظامی میں داخل نصاب کتاب ہے وہ بھی مفعلہ کے وزن پر ہے اور اسی لئے ہم مقامہ کا معنی مجلس سے کرتے ہیں کہ مجلس میں قیام وغیرہ زیادہ ہوتا ہے (منہ)

شفیق فاروقی
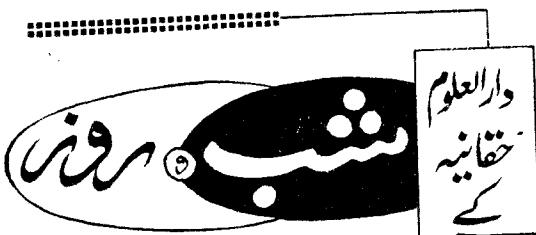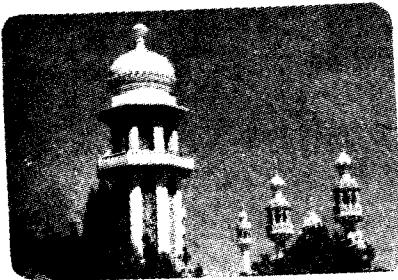
حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صحت | رمضان المبارک میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صحت اچھی رہی روزے بھی رکھے۔ اور اپنے گھر سے ملحق مسجد (دارالعلوم حقانیہ قدیم) تراویح میں مکمل قرآن مجید سنا۔ تراویح اور قرآن مجید اس سال بھی حسب سابق ان کے صاحبزادے حافظ انوار الحق صاحب سناتے رہے۔ اور ۱۶ - ۱۷ رمضان المبارک کی درمیانی شب کو ختم فرمایا۔ اس موقع پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مختصر خطاب بھی فرمایا۔ حاضرین کو دعاؤں سے نوازا۔ رمضان المبارک میں بھی حضرت مدظلہ روزانہ باقاعدگی سے دارالعلوم تشریف لاتے رہے۔ صبح ۹ بجے سے دوپہر ایک بجے تک دارالعلوم کے انتظامی اور دفتری امور میں مشغول رہے۔

عید الفطر کے موقعہ پر عیدگاہ میں خطاب بھی فرمایا جس میں اکوڑہ خٹک اور ملحقات سے ۶۰،۵۰ ہزار کے لگ بھگ لوگ شریک رہے۔

رمضان المبارک کے شب و روز | ۲۲ رمضان المبارک۔ اس سال ۱۵ رمضان المبارک سے باقاعدہ طور ترجمہ قرآن مجید دارالعلوم کے اساتذہ مولانا مفتی غلام الرحمان و مولانا عبدالقیوم حقانی نے پڑھایا۔ بعد میں مولانا شیر علی صاحب (فاضل حقانیہ حال مدینہ منورہ) بھی شریک ہوئے۔ اور پانچ پانچ پاروں کا درس دیا۔ ۲۳ رمضان المبارک کو دارالحدیث میں ختم ترجمۂ قرآن مجید کی تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مختصر خطاب فرمایا۔ اور اساتذہ کی طرف سے دیئے جانے والے سندات تقسیم فرمائے۔

★ ۲۵ رمضان المبارک۔ دارالحفظ کے طلبہ کا ایک سہ روزہ شبینہ کا پروگرام ہوا۔ جس میں چھوٹے بڑے تمام طلبہ شریک رہے۔ اور حصہ لیا۔ اہل محلہ اور قرب و جوار سے آنے والے احباب کی ایک کثیر تعداد شریک رہی۔ طلبہ کے حفظ قرآن، تجوید و قرأت حیرت انگیز کارناموں سے متاثر رہے۔ اور حظ وافر حاصل کیا۔ بہت سے طلبہ کو حاضرین کی طرف سے کثرت سے انعامات بھی موصول ہوتے رہے۔

★ ۱۷ رمضان المبارک۔ جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی تقریر ترمذی حقائق السنن شرح اردو جامع السنن جلد اول کی طباعت کے سلسلہ میں لاہور تشریف لے گئے اور دس بارہ روز وہاں مصروف رہے۔ بحمد اللہ ان کی مساعی سے کتاب طباعت کے مراحل سے گزر کر بڑے شاندار طریقے سے

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ،
EAGLE
IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ
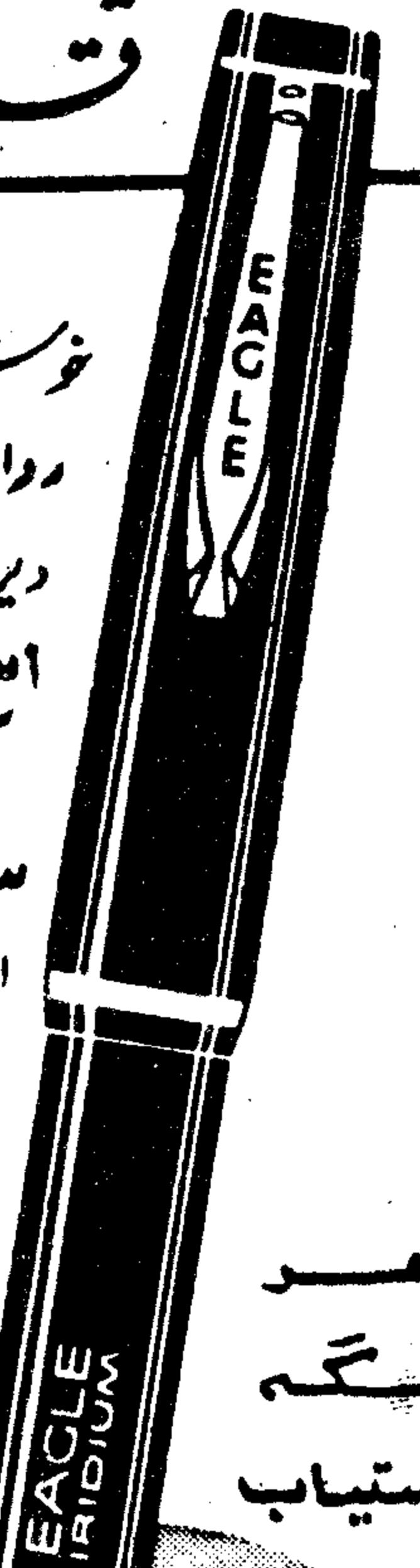
دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
حُسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں،
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی،
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات،
شہر کی ہر بڑی دکان پر،
دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

SOHRAB
1
بائیسکل
سُہراب

MFTM-5-77

Asiatic

(ادارہ)

تبصرۂ کتب

اثمار التکمیل لمانی انوار التنزیل

جلد اول و دوم - صفحات جلد اول ۷۰۳ - جلد دوم ۴۰۰ - قیمت درج نہیں۔
از علامہ مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی۔ پتہ مکتبہ امدادیہ - ملتان شہر

قاضی بیضاوی کی مشہور تفسیر انوار التنزیل متداول اور دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔ جس کو اساتذہ تفسیر مدارس میں بڑے اہتمام سے پڑھاتے ہیں۔ بلکہ اہم علمی مباحث اور تفسیری نقاط میں قاضی بیضاوی کی بات کو مفسرین کے ہاں بڑا وزن حاصل ہے۔ درس نظامی کو اپنے مخصوص خصوصیات اور اپنے روح و مزاج کے اعتبار سے تعلیمی سلسلہ میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ بحث و تحقیق، حل متن، رفع اشکالات، سوال و جواب تشحیذ اذہان کی خاطر اہم علمی نقاط کی تدقیق۔ بلکہ بحث و تکرار میں بال کی کھال تک اتار دینا یہ اس کا خصوصی وصف ہے جس کو اب تک اکابر اساتذہ علم نے برقرار رکھا ہے۔

اسی سلسلہ درس کی ایک کتاب قاضی بیضاوی کی تفسیر انوار التنزیل ہے۔ درس نظامی کی روح اور خصوصی مزاج کے اعتبار سے اساتذۂ تفسیر اور طلبہ کو اس کتاب میں زبردست محنت اور مطالعہ کرنا پڑتا ہے خدا اجر عظیم دے مولانا محمد موسیٰ خان صاحب کو جنہوں نے ان کی تفسیر کی پچاس جلدوں میں مبسوط اردو شرح ازہار التسہیل فی شرح انوار التنزیل کے نام سے لکھنے کا تہیہ کر لیا ہے۔

پیش نظر کتاب اثمار التکمیل دو جلدوں میں اس کا ایک مقدمہ ہے جسے بڑی محنت سے کثیر کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھا گیا ہے۔ مولانا خود لکھتے ہیں۔

"کتاب ہذا کے موضوعات فوائد و مباحث کا میدان طویل و عریض ہے" تفسیر بیضاوی میں مذکور شعراء کی تاریخ کے علاوہ تراجم محدثین، تراجم قراء و رواۃ۔ تاریخ بلاد و احوال حیوانات۔ احوال ملوک۔ مسائل ادبیہ فرق اسلامیہ۔ تاریخ انبیاء احوال و حقیقت ملائکہ۔ احوال قبائل۔ احوال تفسیریہ۔ تفصیل شروح و حواشی تفسیر بیضاوی و دیگر فوائد عظیمہ تر شریفہ مہمہ پر حاوی ہے۔

کتاب اگرچہ علماء اور طلبہ مدارس دینیہ کے لئے لکھی گئی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ علمی و ادبی تفسیری و تحقیقی ذوق رکھنے والے تمام حضرات اس کے مطالعہ سے حظ وافر اور علمی نشاط حاصل کریں گے۔ (ع۔ ق)

مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت مفسر و محدث | مؤلف ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ صفحات ۱۴۸۔ قیمت ۲۰ روپے۔ ناشر۔ ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان۔ ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ شاہد علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱

گو کہ ہر دور میں علماء و صلحاء امت نے قرآن پاک کی گراں قدر خدمات تفسیر کی شکل میں انجام دی ہیں جس کی وجہ سے پوری امت مسلمہ ان کی ممنونِ احسان اور مرہونِ منت ہے۔ لیکن عصرِ حاضر میں ایک ایسی تفسیر کی ضرورت تھی جو اسرائیلیات سے مبرا روایات اور یونانی جدل و برہان سے پاک درایات پر مشتمل ہو۔ اور جس میں اپنے ذوق کی ترجمانی بجائے قرآنی دعوت و پیغام۔ توحید و رسالت۔ مقصد نزول اصلاح و ارشاد اور اجتماعیت و انفرادیت کی قرآنی رنگ میں تف[سیر] ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی جامع الصفات شخصیت نے اس مقصد کے پیش نظر تفسیر ترجمان القرآن لکھی جس کی تقریر ہر طبقہ خیال میں پذیرائی ہوئی۔ اور جو ہمیشہ آپ کی عظمت و وقعت کمالِ ذہن و فکر وسعتِ نظر۔ اور عمق مطالع[ہ] کا آئینہ دار رہے گی۔ مولانا نہ صرف ایک عظیم مفسر تھے بلکہ واقف اسرارِ احادیث مصطفوی اور آشنائے حکمت نبوی کی حیثیت سے بھی آپ کا ایک عظیم مقام ہے۔ اہمیت و مقام حدیث، فن حدیث کی تحقیق و تدوین میں محدثین و محققین کے محیر العقول کارنامے ، جیسے دقیق علمی و تحقیقی موضوعات پر حضرت مولانا کے جادو نگار قلم کی سحر کاریا[ں] ان کی اسی خصوصیت کی غماز ہیں۔

فاضل مؤلف جنہیں مولانا سے عشق ہے نے ان دو حیثیتوں کے بارے میں مختلف اہل علم و اہل قلم اصحاب فکر و ن[ظر] کے مقالات یک جا کئے ہیں۔ ابتدا میں مؤلف موصوف کا فاضلانہ پیش لفظ گویا ان تمام مقالات اور پوری کتاب کا لب لباب اور عطر و نچوڑ ہے۔

(محمد ابراہیم فانی)

افادات آزاد | ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ قیمت ۲۵ روپے۔ ناشر۔ ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستا[ن] ملنے کا پتہ۔ مکتبہ شاہد علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱۔ مولانا آزاد کی شخصیت مرجع خواص و عوام تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبحر و تفقہ مجتہدانہ فکر و نظر دینی و ادبی اور سیاسی بصیرت و دیگر جن بوقلمون و گوناگون صفات سے نوا[زا] تھا۔ وہ شاذ ہی کسی ذات میں یک جا ہوتے ہیں۔ کسی کو فقہی مسئلہ میں الجھن پیش آتی۔ کوئی تفسیر میں اٹک جاتا۔ کسی کلامی مسئلہ میں مشکل پیش آتی۔ حوادث و نوازل کے بارے میں متردد ہوتا۔ کسی شعر تاریخ فلسفہ اور تصوف کے بارے میں استفسار ہوتا یا شاعر کی ثقاہت کے بارے میں سوال۔ کسی مصنف کا تذکرہ معلوم کرنا ہوتا یا اور کو[ئی] مذہبی ادبی اور معاشرتی مشکل پیش آتی۔ مولانا ہی پر نظر انتخاب پڑتی۔

زیر نظر کتاب ان ادبی و مذہبی استفسارات پر مشتمل ہے۔ جو مختلف اوقات میں مختلف شخصیات کی ج[انب] سے جواب طلب تھے۔ ابتدا میں مولانا کے پرائیویٹ سکریٹری محمد اجمل خان صاحب کا ادیبانہ مقدمہ بھی شامل ہے۔ بعض فقہی مسائل کے بارے میں مولانا کی رائے بالکل منفرد ہے جس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

(محمد ابراہیم فانی)

Grant of permanent commission in

Pakistan Navy

Through

N CADET SCHEME

Applications are invited for enrolment as 'N' Cadet in the Pakistan Navy. This scheme provides an opportunity to young and daring MATRICULATES to receive higher education leading to the award of a Bachelor of Engineering Degree and the grant of permanent commission in the Pakistan Navy

ELIGIBILITY

a. Nationality : Male citizen of Pakistan
b. Age on 1st Mar. '85 : 15 to 18 years for civilian candidates; 15 to 20 years for candidates already serving in the Pakistan Armed Forces.
c. Educational Qualifications. : Matric (Science Group) or equivalent. At least 55% marks in aggregate with pass marks in Physics, Chemistry, Mathematics and English.
d. Marital Status : Unmarried

INELIGIBILITY

a. Rejected twice by Inter Services Selection Board.
b. Resigned/Dismissed/Withdrawn from Army/Naval/Airforce Training Establishments.
c. Dismissed/Removed from Government Service.
d Convicted by a court of law for an offence involving moral turpitude.
e. Declared medically unfit by an Armed Forces Appeal Medical Board.

SELECTION PROCEDURE

a. Preliminary Selection by Naval Selection Board.
b. Medical Examination
c. Tests/Interviews by the Inter Services Selection Board.
d. Final Selection by Naval Headquarters.

PAY AND ALLOWANCES In accordance with current pay code.

For obtaining application forms and other information write to the Directorate of Recruitment, Naval Headquarters, ISLAMABAD (Tel: 821890) or visit any of the following PN Recruitment and Selection Centres:

a. PN Recruitment & Selection Centre, D-85, 6th Road, Satellite Town, Rawalpindi. (Tel: 840464).
b. PN Recruitment & Selection Centre, House No. 31, Block-B, Chowdry Zahoor Elahi Road, Near Main Market, Gulberg No. 2, Lahore (Tel: 881354).
c. PN Recruitment & Selection Centre, 57-G, Sher Shah Road, Multan Cantt. (Tel: 30109)
d. PN Recruitment & Selection Centre, 7 Liaquat Barracks, Rafiqui Shaheed Road, Karachi (Tel: 516434).

LAST DATE

FOR RECEIPT OF APPLICATIONS AT NAVAL HEADQUARTERS (DIRECTORATE OF RECRUITMENT) ISLAMABAD

31 August 1984

PID/Islamabad.

ADGROUP

REGD-NO.P-90